प्रकाशिका - 33

Prakashika - 33

TERAH MASA

तेरह मासा

Editor

Abdul Haq

राष्ट्रीय पाण्डुलिपि मिशन
॥ विज्ञानमुपास्व ॥
National Mission for Manuscripts

تیرہ ماسہ

پرکاشیکا نمبر ۳۳

جنرل ایڈیٹر

وی وینکٹ رمن ریڈّی

تیرہ ماسہ

(شمالی ہند کا سب سے قدیم، اور مکمل مخطوطہ)

اکرم قطبی

مرتبہ

پروفیسر عبدالحق

پروفیسر ایمرطس

دہلی یونی ورسٹی، دہلی

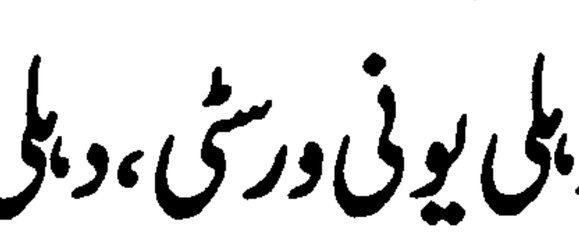

نیشنل مشن فار مینسکرپٹس، نئی دہلی

اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی

© جملہ حقوق محفوظ

ناشر

نیشنل مشن فار مینسکرپٹس

۱۱۔ مان سنگھ روڈ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

ویب سائٹ: www.namami.org

ای میل: director.namami

طابع

اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس

1307-08، کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی

ٹیلیفون: 011-23289539

ای میل: javedasila@gmail.com

قیمت: Rs. 500/-

ISBN: 978-80829-02-9 (Series)

978-80829-52-4

علامہ اقبال کے پرستار

پیکرِ اخلاص وایثار

جناب سلطان احمد

ایم۔پی۔

رکن مغربی بنگال اردو اکیڈمی

کے نام

تری نگاہ میں ہے دلبری ورعنائی

عبدالحق

ترتیب

عرضِ حال	7
مقدمہ	11
تیرہ ماسہ	60
فرہنگ	116
تعلیقات	136
مصادر	148
اشاریہ	151
عکسِ مخطوطہ	155

عرضِ حال

قرآن کریم صحیفۂ حیات ہے۔اس کی تلاوت اور تفہیم روز وشب کے معمولات میں شامل ہیں۔اسے شوق سے بار بار پڑھتا ہوں۔اس مبارک کتاب کے علاوہ جس تحریر کو زندگی میں کثرت سے بہ جبر پڑھنا پڑا وہ اکرم قطبی کا تیرہ ماسہ ہے۔اپنی دوسری پسندیدہ کتاب ''کلامِ اقبال'' کا بھی اتنی بار آموختہ نہیں کیا۔تیرہ ماسہ کی تحریر سے سینہ شگافی کے ساتھ بینائی بھی برباد ہوتی رہی۔مخطوطہ ہاتھ میں لیتا طبیعت تکدر سے دوچار ہوتی ترکِ تعلق کرلیتا۔برسوں تک یہ بددلی باقی رہی ایک دولفظ پہچان لیتے تو نئی دنیا کو پالینے کا احساس ہوتا۔پھر مہم جوئی کے لئے آمادہ ہوتا ایک ایک لفظ کو سمجھنے میں کئی دن لگ جاتے پھر بھی ناکامی ہوتی اپنی حماقت پر ہنسی آتی۔دیوانگیٔ شوق کا بھلا ہو کہ جیسے تیسے تھوڑی بہت بات بن سکی مجھے یقین ہے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کی صحیح قرأت نہ کرسکا اس کے لئے بے حد شرم سار ہوں مخطوطے کی اہمیت اور بازیابی کے جنون نے مجبور کیا کہ اس کی ترتیب واشاعت پر توجہ دی جائے مگر دل میں ٹھان لی ہے کہ زندگی نے مزید مہلت دی تو اب کسی مخطوطے کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔شاید یہ ممکن بھی نہیں کہ مخطوطے کو دیکھ کر مطالعۂ شوق مچل نہ جائے۔دعا کرتا ہوں اب کسی خطی تحریر سے خاطر وخیال کا سابقہ نہ ہوتا کہ تقویٰ اور توبہ دونوں محفوظ رہیں۔

یہ تیرہ ماسہ عجیب وغریب تحریر ہے جس میں برج، ہریانوی، پنجابی، ہندی، سندھی،

اودھی، بھوجپوری، فارسی اور عربی زبانوں کے الفاظ اور اسالیب نے اسے پیچیدہ بنادیا ہے ۔وہ الفاظ بھی دیہی اور عوامی بولیوں کے ساتھ مل کر صحیح قرأت کی مشکلات میں اضافہ کرتے ہیں ۔پھر اندازِ خط نے بھی اسے چیستان بنایا ہے۔مخطوطہ کے کاتب نے دیوان ولی، دیوان آبرو اور دیوان حاتم کی بھی کتابت کی ہے۔ مجھے ان دواوین کو پڑھنے میں اتنی دقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ اردو کا صاف وشستہ روپ ہیں۔تیرہ ماسہ میں یہ صورت نہیں ہے وہ بہت ہی ناہموار اور گراں بار ذخیرۂ الفاظ کا مجموعہ ہے۔نیم شکستہ آمیز کتابت نے اسے مزید دشوار بنادیا ہے۔ہم شکل حرفوں کے ساتھ نکتوں اور شوشوں وغیرہ حروف کو نظر انداز کر کے یکساں طور پر تحریر کیا گیا ہے۔لفظوں کو ملا کر لکھنے کی رسم نے صحیح قرأت کو مشکل تر بنادیا ہے۔قدیم زبان کے ساتھ متروکات کی فراوانی بھی حیرت انگیز ہے عربی وفارسی اور ہندی الفاظ کا اشتراک اور تلفظ اور تحریر میں حسب منشا یا شعری ضرورتوں کے تحت تبدیلی بھی کی گئی ہے۔

راقم کو اپنی محرومیوں کا اعتراف ہے اسی لئے مخطوطے کا عکس بھی حاضر کیا ہے تاکہ صاحب نظر قارئیں شناخت کر کے مشتبہ الفاظ کو درست فرمائیں۔ناچیز نے بعض مقامات پر کتابت کردہ الفاظ کی نقل پر اکتفا کیا ہے۔کیونکہ میں انہیں صحیح طور پر شناخت نہیں کر پایا۔نقل نویسی میں بھی ناچیز سے لغزشیں ہوئی ہیں۔محمد افضل کی بکٹ کہانی کے بعد یہ تیرہ ماسہ عوامی ادب کا دوسرا شاہکار ہے اس کے اپنے خاص امتیازات ہیں جو دوسرے ماسوں میں موجود نہیں ہیں۔اب تک کی دریافت کے مطابق اس کے تین قلمی نسخے نشان زد کئے گئے ہیں جن میں یہ سب سے قدیم خطی نسخہ ہے۔نسخہ لاہور اور نسخۂ لندن تک کوشش کے باوجود رسائی نہیں ہوسکی۔ناچیز نے ذاتی نسخے پر بھروسہ کیا ہے کہیں کہیں انحراف کے علاوہ

قدیم ترین املائی صورتوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔تا کہ اس دور کی لسانی اور املائی صورتوں کے مطالعے کو پیشِ نظر رکھا جائے۔تقریباً چالیس سال سے یہ نسخہ راقم کی تحویل میں ہے۔شاہ حاتم کے قدیم دیوان کی اشاعت کے بعد کبھی کبھی اسے دیکھتا زبان و بیان پڑھ کر مایوسی ہوتی اسے خاموشی سے رکھ دیتا۔اب پایانِ عمر میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوا تو تھوڑی سی رغبت پیدا ہوئی کتابی صورت میں پیش کر کے مسرت ہو رہی ہے۔

ناچیز اس دور کی تخلیقات کو دبستانِ دہلی کا سرنامۂ سخن جانتا ہے۔یقین ہے اس عہد کے بزرگ فنکاروں نے ابرِ نیساں بن کر عہدِ میر و مرزا کو بارانی بخشی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دبستانِ دہلی کا دورِ اول ہے جس کے فیضانِ سخن سے سرمایۂ دہلی کو شادابی و سرفرازی ملی ہے۔یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ اسالیب کے مختلف سرچشمے اس دور کی ثمر باری کا سبب بنے۔دبستانِ دہلی کی جملہ صفات کی مثالیں کسی نہ کسی صورت میں دورِ اول کے شعراء کے یہاں موجود ہیں۔اکرم قطبی کا یہ بیانیہ آبرو و حاتم کی طویل نظموں کی تخلیق کو تقویت بخشتا ہے۔اصلاحِ زبان و بیان کا رجحان جنم لیتا ہے عوامی اور مقامی زبان بھی رُودِ رواں بن کر ہمدوشِ سفر دکھائی دیتی ہے۔یہی لہجہ عوام سے گفتگو کی تحریک دلاتا ہے جس کی بنیاد پر میرؔ کا شعری محل سرا آباد ہوا۔

اکرم قطبی کے پیشِ نظر محمد افضل کی بکٹ کہانی ہے۔اور انہوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔مصرعوں اور ترکیبوں کی ساخت میں جگہ جگہ اثر نمایاں ہے۔بکٹ کہانی کی زبان اور اسلوب نسبتاً سہل، رواں اور پیچیدگی سے پاک ہے جب کہ قطبی کا کلام خاصا مشکل اور ناہموار ہے۔افضل اور قطبی کی تخلیق میں تقریباً سو سال کا بعد ہے۔اصولاً صدی بعد لسانی

مزاج میں تبدیلی ضروری تھی جیسے کہ آبرو وحاتم کے معاصرین کے کلام میں نظر آتی ہے۔شاید قطبی نے عوامی شاعری کی وجہ سے اس لب و لہجے کو قبول کیا ہو۔حقیقت یہ ہے کہ قطبی کے اس مخطوطے کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔شمالی ہند کے دوسرے شعراء کا کلام اس قدامت کے ساتھ ابھی تک دریافت نہیں ہوسکا ہے۔اس پس منظر میں قطبی کا یہ تیرہ ماسہ شمالی ہند کا سب سے قدیم اور مکمل کلام پر مشتمل ایک نادر قلمی نسخہ ہے

دوسرے نسخوں کی دست یابی سے محرومی کے سبب راقم نے حواشی نہیں لکھے ہیں جس میں اختلافِ نسخ شامل ہوتا کوشش کی گئی ہے کہ کسی طرح متن کو بحال کیا جائے۔ فرہنگ میں امکانی حد تک کوشش کی گئی ہے کہ متن کے الفاظ کی تفہیم آسان بنا دی جائے۔حالاں کہ بعض الفاظ کے معانی تک رسائی نہیں ہوسکی ہے جس کے لئے راقم معذرت خواہ ہے۔میں ذاتی طور پر جناب سلطان احمد (ایم۔پی۔)اور ڈاکٹر سنگھ مترا بسو، نگرانِ کارنیشنل مینسکر پٹ مشن، نئی دہلی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مخطوطے کی اشاعت میں مخلصانہ دلچسپی کا اظہار کیا جس سے اشاعت آسان ہوگئی۔ بیوی بچوں اور عزیزوں کا بھی احسان مند ہوں۔

بیاراں برفشانم عمر باقی

عبدالحق

۲۵ رمئی ۲۰۱۷

مقدمہ

ہماری کم نگہی نے عوامی سرمایہ سخن کی قدر شناسی نہ کر کے ادب کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ شستہ وشائستہ زبان کی تلاش کا معیار سر آنکھوں پر مگر عمومی معیار پر رقم کیا جانے والا ادب بھی ناگزیر ہوتا ہے۔ انتقادی نظر نے بھی عوامی ادب سے چشم پوشی کی اردو کو شہری اور اشرافیہ ثقافت کا ترجمان قرار دیا گیا۔ قریہ وقصبات یا بازار ودیہات کے عوامی اظہار کو فروتر گردانا گیا۔ جس کی وجہ سے عوامی زبان وبیان کے وسائل خاطر میں نہ لائے جا سکے۔ میر نے دکن کے تخلیقی سرمایہ پر شعر غیر مربوط کی مہر ثبت کر دی۔ ابتدائی اور قدیم تر شعری روایات پر توجہ نہ دی گئی بس آغازِ زبان کے سلسلے میں چند ابیات کو التفات حاصل ہوا۔ شمالی ہند میں شعری تخلیق کی ابتدا عوامی شاعری سے ہوئی۔ جس میں گردوپیش کے ساتھ ذاتی محسوسات کو سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا۔ جسے ہم آج لوک گیت یا عوامی شاعری سے تعبیر کرتے ہیں اس طرزِ تخلیق کی سب سے نمایاں مثال بارہ ماسے ہیں۔

بیانیہ کی صورت میں مکمل تخلیق کے نمونے اس صنفِ ادب میں عام ہیں۔ اب تک کی دریافت کے مطابق محمد افضل [1] (م ۱۰۳۵ھ) کی بکٹ کہانی اردو شاعری کی پہلی نظیر ہے۔ جو عوامی ادب کا پہلا شاہ کار بھی ہے۔ مستعار یا روایتی اصناف ادب سے قطعِ نظر یہ

---

[1] بکٹ کہانی۔ حیدرآباد ۱۹۶۵ء

اردو کا پہلا اور بالکل نیا صنف ادب ہے جو قصیدہ وغزل یا مثنوی سے مختلف ہے۔ بارہ ماسہ سرتاپا مقامی اور عوامی ادب ہے جو عراق وفارس سے بے نیاز اردو آہنگ واسالیب کا ترجمان ہے۔ علاقہ واحساس کی ترجمانی مختلف ہے۔ الفاظ واظہار کے طور طریقے بھی غیر روایتی ہیں۔ تقاضائے وقت نے مجبور کیا ہے کہ ہم پوری توجہ صرف کریں اور عوامی ادب کے شہہ پارون کی بازیافت سے ادب کے سرمایہ میں خوش گوار اضافے کو خوش آمدید کہیں۔ دنیا کا تقریباً ہر ادب ابتدائی سطح پر عوامی لب ولہجے کا مرہون نظر ہوتا ہے۔ عامۃ الناس کی زبان کا یہی سرمایہ زبان وبیان کی ناہمواریوں کو دور کر کے خوب سے خوب تر اظہار حاصل کرتا ہے۔ اگر ہم خسرو کی اردو شاعری کو تسلیم کریں تو وہ روایت تقریباً چار سو سال بعد بھی باقی رہتی ہے۔ حالاں کہ یہ بات منطقی طور پر معقول نہیں لگتی۔ افضل اور اکرم قطبی کا کلام اس روایت کی مثال ہے۔ یہی اردو کا ابتدائی خمیر ہے جو ہماری توجہ کا نقطۂ نور ہے۔ جس سے قدیم تہذیب اور طرزِ معاشرت کی بازیافت ہوتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بھی بارہ ماہیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ تقریباً ہر تخلیق میں اس عہد کے بود وباش کا بیش وکم کے ساتھ اظہار ملتا ہے ۔ مثلاً برسات کی آمد سے پہلے مکانوں کے چھت وچھپر کی مرمت دیہی اور قصباتی زندگی کا معمول رہا ہے جنتر منتر، بھوت پریت، ٹونے ٹوٹکے، آسیب، جادو سحر، حکیم بید، عشق ومحبت، پیری مریدی ساون میں جھولے، بسنت میں بسنتی رنگ کے لباس زیب تن کرنا، ہولی کے ہنگامے، عبیر وگلاب پاشی زیارت اور میلے ٹھیلے میں خوش مزاجوں کے معاشقے وغیرہ معاشرتی زندگی کے دل کش پہلو ہیں جن کا ذکر اہتمام سے ہوتا رہا ہے ۔ ان ثقافتی سرگرمیوں تک رسائی کا سب سے مؤثر اسلوب تاریخ نہیں تخلیقات ہیں۔

اردو کا یہی فطری مزاج تھا جو بدل کر یا ارتقائی عمل کے خراد اور سان پر تراش خراش کی بدولت متمدن شہری زبان میں ڈھلتا گیا۔ اور شہری ثقافت اس کا حسن اعتبار ٹھہرا۔ عوام میں رائج مقامی بولیوں کے الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ دھیرے دھیرے متروک قرار پا کر چلن سے باہر ہوتا رہا اور وہ شعری تخلیقات سے خارج ہوتے رہے۔ لسانی تاریخ آگے بڑھتی رہی۔ مرزا مظہر جان جاناں نے ''بموافق محاورۂ شاہِ جہاں آباد'' کا نعرہ دیا۔ بعد ازاں آبرو نے فارسی سے دامن کش ہونے کا اعلانیہ جاری کیا۔

''وقت جن کا ریختے کی شاعری میں صرف ہے
ان سیتی کہتا ہوں بوجھو صرف میرا ظرف ہے
جو کہ لاوے ریختے میں فارسی کے فعل و حرف
لغو ہیں گے فعل اس کے ریختے میں حرف ہے'' [1]

شاہ حاتم نے دیوان کے مقدمے میں پرزور تائید کی ہے کہ یہ اردو کا فارسی کے خلاف ایک اعلانیہ تھا۔

اردو کا لسانی سفر عوام سے اشرافیہ کی طرف بڑھا۔ پھر قلعۂ معلّٰی کے در و دیوار نے استقبال کیا۔ شاہ مبارک آبرو کا فیصلہ ایک نئے لسانی دستور کا نفاذ تھا۔ اس لسانی شعور کا فطری تقاضا تھا کہ اردو کو ہر اعتبار سے خود کفیل بنایا جائے۔ لسانی خود مختاری کا اعلان ایک رجحان بن کر نمودار ہوا۔ تمام شعراء ایک نئی شعری اور لسانی روایت پر گامزن ہوئے۔ یہ جمہور کا مزاج بن گیا۔ اس کی ایک بڑی دلیل حاتم کی عبارت ہے جو دیوان زادہ کے مقدمہ

---

[1] دیوان زادہ۔ ص ۱۰۶

میں شامل ہے۔

''بندہ دریں امر بمتابعتِ جمہور مجبور است''[1]

انہوں نے قدیم دیوان کے متن کو بدل دیا اور ''دیوان زادہ'' نام رکھا۔ شاہ حاتم کے قدیم دیوان اور نئے انتخاب کو دیکھئے تو واضح فرق نظر آئے گا۔ قطبی دور کے الفاظ متروک قرار پائے۔ تیرہ ماسہ پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ قطبی کے زمانے میں ہی یہ رجحان بڑھنے لگا تھا۔ اس لئے کہ متن میں متعدد اشعار ہیں جو بہت ہی صاف ستھری زبان رکھتے ہیں اور عوامی اظہار محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے

ارے قطبی کرو کچھ فکر ایسا
کہ مٹ جاوے جنم کا دکھ اندیسا
مرے والی مجھے دارو بتاو
شتابی دوست کا مکھڑا دکھاو

یہ زبان آبرو و حاتم کے دور کی ہے۔ مگر صاف وشستہ اور رواں اظہار ایک آنے والے دور کی غمازی کر رہا ہے۔

کوئی جا کر کہے من موہنی سیں سلونی سانوری من موہنی سیں
کہاں تک کیا کہوں اس راز کی بات نہیں آخر ہوا اس غم کا طومار[2]

دو ایک جگہ قافیہ کی پابندی نہ کر کے قطبی نے آزاد روی کا راستہ بھی اپنایا ہے۔ مثنوی میں اور بھی شعر ہیں جو قافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔ اصولوں سے انحراف بھی قابلِ قدر

---

[1] دیوان حاتم۔ ص ۵۰

[2] دیوان زادہ۔ ص ۱۰۶

معلوم ہوتا ہے۔

اس صنفِ شاعری کی نسبت عوام سے تھی۔عوام بھی جو مقامی تھے۔مقامی شاعری کی روایت کا سرچشمہ سنسکرت زبان وادب ہے۔وہاں بارہ ماہیہ کی ایسی روایت نہ تھی مگر مقامی موسموں اور باشندوں کے محسوسات سے متعلق ادب موجود تھا۔جو ہندی ادب کی مشہور روایت اور صنفِ شعر بن کر ابھرا اور مقبولِ عام ہوا۔اس کا ایک بڑا مصدر ملک محمد جائسی کی پدماوت ہے۔اس سرچشمۂ فیض نے تخلیق کو تحریک دی۔اردو بھی براہِ راست مستفیض ہوئی۔عمومی لب ولہجے کا یہ لسانی اعجاز تھا جس میں تخلیق کا ایسا بے مثل سرنامۂ سخن وجود میں آیا۔اسے آپِ بھا کا کہیں بھوج پوری یا اودھی مگر پدمات کی زبان اور نفسِ موضوع نے بارہ ماہیہ کو بہت متاثر کیا۔پدماوت کا ایک حصہ موسموں کے بیان لئے وقف ہے۔جس میں مختلف موسموں کی تبدیلی کے موثرات کا ذکر ہے جو انسانی محسوسات میں جذبہ وشعور بن کر بیدار ہوتے ہیں۔اور محبوب کو مضطرب کرتے ہیں۔پدماوت مجاز وحقیقت کا حسین سنگم ہے جس میں تہذیبوں کے حسنِ امتزاج کو خوب صورت شعری پیرایۂ اظہار میں ادا کیا گیا ہے۔یہی نہیں بلکہ دو تہذیبوں کے کرداروں کو حسن وعشق کے اشتراک سے ایک پیکر میں تراشا گیا ہے یہ وقت کا تقاضا ہی نہیں وسعتِ نظر کی لازوال پہنائیوں کو پیش کرنے کا تمیثلی تصرف بھی تھا۔پدماوت افضل کی بکٹ کہانی سے تقریباً سو سال قبل کی تخلیق ہے۔اردو کا یہ پہلا بارہ ماہیہ پدماوت سے بہت حد تک مستفیض ہے۔افضل جائس سے تقریباً آٹھ سو کلو میٹر دور کا باشندہ ہے۔مگر بھوج پوری زبان کے اثرات بکٹ کہانی میں بہت نمایاں ہیں۔ قطبی کے تیرہ ماسہ پر بھی اودھی کے نشانات دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ہریانہ کے رہنے

والے دونوں فن کار پورب میں تخلیق پانے والے ادبی شاہ کار کی زبان و بیان سے اتنے قریب ہیں۔ بکٹ کہانی کی تخلیق کے تقریباً سو سال بعد اکرم قطبی نے یہ تیرہ ماسا تخلیق کیا ہے۔ گویا اردو میں بارہ ماسہ کی روایت کی یہ دوسری دل افروز کہانی ہے اور کئی پہلو سے یہ بہت ممتاز اور منفرد بھی ہے۔ راقم کی نگاہ میں یہ انمول تخلیق ہے۔

اردو میں اس صنفِ ادب کی ایک معقول تعداد ہے جس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ عوامی ادب کا یہ خشتِ اول ہے۔ کم سے کم بارہ ماسہ کی تحقیق یہی کہہ رہی ہے۔ یہ بیان شمالی ہند کے سیاق میں ہے۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی[1] مرحوم نے بارہ متون کا تجزیہ کر کے اس کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اہل علم نے دوسری تخلیقات کی بھی نشان دہی کی ہے۔ استاذی ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی نے ریحان گورکھپوری کے بارہ ماسہ کا تعارف پیش کیا ہے۔ متن حاصل نہ ہو سکا۔ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل[2] نے مسلم یونی ورسٹی کے ذخیرہ میں موجود اکرم قطبی کے تیرہ ماسہ کا تعارف پیش کیا تھا۔ دریافت کرنے پر انہوں نے اطلاع دی کہ یہ مخطوطہ اب کتب خانے میں موجود نہیں ہے۔ اس کا متن ڈاکٹر تنویر احمد علوی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ اسی سبب ان کی اہم تصنیف میں یہ تیرہ ماسہ شامل نہ ہو سکا۔ حسبِ ذیل متون ہی جمع ہو سکے۔ بارہ ماسہ افضل، بارہ ماسہ عزلت، بارہ ماسہ جوہری، بارہ ماسہ وحشت، بارہ ماسہ سندر کلی، بارہ ماسہ مقصود، بارہ ماسہ ینہہ، بارہ ماسہ مفتی الٰہی بخش، بارہ ماسہ وہاب، بارہ ماسہ نجیب، بارہ ماسا رنج، بارہ ماسہ عبداللہ انصاری۔ افضل کے بعد دوسرا سب سے قدیم

---

[1] اردو مثنوی میں بارہ ماسے کی روایت، دہلی ۲۰۰۰ء

[2] فکر و نظر، علی گڑھ۔ شمارہ ۲، ۱۹۷۱ء

اور منفرد متن قطبی کا ہے۔ایک اور بارہ ماسہ قابلِ ذکر ہے۔ جسے علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر عبدالعزیز ساحر نے مرتب کیا ہے۔اگر چہ یہ متن پہلی بار بارہ ماہیہ نجم کے نام سے ۱۸۷۵ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔دوسری بار ۱۳۷۲ھ میں اجمیر سے شائع ہوا۔ بعدازاں دیوناگری رسم خط میں تیسری بار چھپا۔ چوتھی بار ۲۰۱۲ء میں راولپنڈی سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر عبدالعزیز ساحر نے بڑے قیمتی اور علمی حواشی لکھے ہیں۔ یہ ماہیہ بھی قطبی کے تقریباً سوا سو سال بعد رقم کیا گیا۔اس کا مخطوطہ موجود نہیں ہے۔ یہ عام ماہیوں کے مقابلے میں طویل ہے۔عربی و فارسی اشعار بھی شامل ہیں۔زبان نسبتاً صاف اور رواں ہے کیوں کہ یہ ۱۲۵۸ھ میں لکھا گیا۔راقم کے خیال میں یہ سب سے طویل ماہیہ ہے جس میں ۷۰۷ اشعار ہیں اس میں حمد و نعت کا باقاعدہ اہتمام ہے۔عربی و فارسی کے اشعار بھی ہیں۔

اس کے مصنف حاجی محمد نجم الدین سلیمانی ہیں وہ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگ محمد سلیمان خاں تونسوی کے مرید اور خلیفہ بھی ہیں۔ خانقاہ سے وابستگی کے سبب ارادت مندوں کا حلقہ وسیع تھا۔مقبولیت کی وجہ سے یہ بار بار شائع ہوتا رہا۔مجازی عشق سے الگ ان کے وارداتِ قلبی کا یہ شعری اظہار عقیدت مندوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ابھی بہت سے مخطوطے نامعلوم ہیں جو تعارف و تدوین کے محتاج ہیں جن کی بازیافت سے اس صنفِ شاعری میں اضافہ ہوسکتا ہے۔اگر چہ موجود سرمایہ بھی ادب شناسی کے التفات کا منتظر ہے۔اردو کے لوک یا عوامی ادب پر اب تک کئی کتابیں پیش نگاہ ہیں۔ پھر بھی بارہ ماہیہ کی عوامی روایت پر سنجیدہ اعتراف کی ضرورت ہے۔اور تحقیقی توجہات کا

---

[۳۱] بارہ ماہیہ نجم، راولپنڈی ۲۰۱۲ء

تقاضا بھی ترجیح طلب ہے اردو پر اغیار کا ایک ہدف یہ بھی ہے کہ اس میں مقامی وملکی اور معاشرتی فضا کی ترجمانی کا پہلو خاطر خواہ نہیں ہے۔ ثقافتی وفاشعاری سرحدوں سے ماورا ہے۔ اس کج نگاہی کا سب سے مؤثر جواب یہ بارہ ماسے ہیں۔ جو اولین تخلیقات ہیں اور ملک کے ارض وسما کے ساتھ ہندوستانی معاشرت کے اظہار کے لئے ہی وقف ہیں۔ یہ اہم نکتہ بھی خاطر نشین رہے کہ بارہ ماسے میں عشق ومحبت کا اظہار جنس لطیف سے ہی ہوتا ہے۔ وہی ہجرت زدہ ہے اور برہ کی ماری ہوئی بھی۔ اسی محبوب نے موسموں کی تبدیلی سے واقع ہونے والے لطیف ترین جذبات کو انگیز کیا ہے۔

بزرگوں کی کوشش سے اس دور کا بہت کچھ گم شدہ سرمایہ ہماری رسائی میں ہے۔ اس بازیافت سے ادبی تاریخ کی خالی کڑیوں اور خلاؤں کو پُر کرنے میں بڑی پیش رفت ہوئی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے دیوانِ فائز کی تحقیق سے ایک نئے سفر کا آغاز کیا۔ پروفیسر محمد حسن نے دیوانِ آبرو کو متعارف کرایا۔ اسی طرح دیوان شاکر ناجی ودیوان یکرو ویقین وغیرہ کی اشاعت سے قدیم متون تک رسائی آسان ہوگئی۔ پروفیسر محمد حسن نے دیوان آبرو کو شمالی ہند کا سب سے قدیم اردو دیوان قرار دیا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے دیوانِ فائز کو شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان بتایا۔

''فائز اپنا کلیات، جس میں اردو دیوان بھی شامل ہے۔ ۱۱۲۷ھ میں مرتب کر چکے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اردو میں شعر کہنا شروع کیا۔ اس طرح حاتم اور ان کے ساتھ

[1] دیوانِ فائز۔ ۸۷

اردو شاعری کرنے والے تمام شاعروں پر فائز کا تقدم ثابت ہے۔''[1]

قاضی عبدالودود نے دیوانِ فائز پر جو گفتگو کی ہے۔ اس کی روشنی میں فائز کی اولیت کا دعویٰ غلط ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ فائز نے ۱۱۲۷ھ میں فارسی کلیات مرتب کیا تھا۔ خاصا کلام اس میں شامل نہیں تھا۔ قاضی عبدالودود نے لکھا ہے:۔

''کلیات جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے ۱۱۴۲ھ سے ۱۵ سال قبل مرتب ہوا تھا اور فاصل مرتب کی قطعی رائے ہے کہ ترتیب کے وقت دیوانِ اردو اس میں شامل تھا۔ مگر یہ ہرگز متعین نہیں۔ فائز نے ایک مثنوی میں جس کے چند شعر مقدمہ (۳۹) میں درج ہیں۔ ''بادشاہوں کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا ہے''۔ اس میں عالمگیر کی وفات کے ۱۴ سال بعد تک (وفاتِ عالمگیر ۱۱۱۸ھ) جتنے بادشاہ ہوئے تھے۔ سب کے نام آئے ہیں۔ ایک مصرع جس میں محمد شاہ کا نام ہے (سالِ جلوس ۱۱۳۱ھ) یہ ہے:

''پس از وے محمد شاہ آمد پدید''

ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۱۲۷ھ میں شامل کلیات نہ ہوگی۔ فہرست آکسفورڈ میں ایک مثنوی کا ذکر ہے جو ۱۱۳۴ھ کی ہے۔ سالِ تصنیف ''دولت خانۂ والا'' سے معلوم ہوتا ہے یہ مثنوی ۱۱۲۷ھ کے مرتبہ کلیات سے غیر حاضر ہوگی۔ ان دو مثنویوں کا حال یہ ہے تو یہ کس طرح لازم آتا ہے کہ دیوانِ اردو اس میں موجود تھا۔ یہ نتیجہ نکالنا درکنار، کلیات کے نسخہ ۱۱۴۳ھ میں دیوان اردو کے شمول کی بنا پر یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ۱۱۲۷ھ میں فائز کی ریختہ گوئی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ۱۱۴۲ھ سے کتنے برس قبل اس کی ابتدا ہوئی۔ اس کا فیصلہ موجودہ

[1] اعیارستان۔۲

مواد کی مدد سے نہیں ہوسکتا۔''[۱]

ان حقائق کی روشنی میں ۱۱۲۷ھ میں فائز کے فارسی کلیات کا مرتب ہونا معلوم ہوتا ہے اردو دیوان کا نہیں۔ کیوں کہ اس میں ۱۱۲۷ھ کے بہت بعد کا کلام شامل ہے۔ اس طور پر اردو کلام مشکوک ہو جاتا ہے۔

جو کلیات دستیاب ہے وہ ۱۱۴۲ھ کا ہے قاضی عبدالودود کا یہ خیال بھی اہم ہے۔ کہ اس کلیات کی روشنی میں فائز کا ۱۱۲۷ھ میں اردو شعر کہنا بہت مشتبہ ہے۔ کلیات کی موجودگی بتاتی ہے کہ انہوں نے ۱۱۴۲ھ سے پہلے شاعری شروع کی تھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کتنے سال پہلے۔ حاتم کے بارے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان کی اردو شاعری کا آغاز ۱۱۲۸ھ میں ہوا تھا۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی نے دیوان زادہ کے مقدمہ اور مصحفی کے بیان کی روشنی میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حاتم نے ۱۱۲۸ھ سے فارسی اور ۱۱۳۲ھ سے اردو میں شاعری شروع کی۔ یہ خیال تحقیقی طور پر غلط ہے۔ کیوں کہ دیوان زادہ میں دو غزلیں ۱۱۳۱ھ کی موجود ہیں۔ اور اگر دیوان زادہ کے نسخہ رام پور کی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو ۱۱۳۰ھ کی ایک غزل مرزا مظہر کی زمین میں ہے:

کیا جو فاختہ نے سرو اوپر آشیاں اپنا

لندن اور لاہور کے نسخوں میں ۱۱۴۰ھ درج ہے۔ اس لیے رام پور کی بات مشتبہ ہو جاتی ہے۔ مگر یہ سچ ہے کہ حاتم کی اردو شاعری کا آغاز ۱۱۲۸ھ میں ہو چکا تھا۔ فائز کی اردو شاعری کی ابتدا کے بارے میں ثبوت نہیں۔ پروفیسر مسعود رضوی کا یہ خیال ''فائز کا کلیات مرتب ہو چکنے کے ایک سال بعد حاتم نے فارسی میں اور پانچ سال بعد اردو میں شعر کہنا

شروع کیا''۔سراسر غلط ہے۔فائز کا شرفِ تقدم موہوم خیال ہے ان کی یہ رائے بھی درست نہیں ہے کہ فائز کا اردو کلام اگر کل نہیں تو اس کا بیشتر حصہ ۱۱۲۷ھ سے پہلے تخلیق پا چکا تھا۔

قیاس ہے کہ فائز نے اپنا کلام نظرِ ثانی کرنے کے بعد ۱۱۴۴ھ میں مرتب کیا۔اور اس میں اردو کلام شامل کر لیا۔۱۱۲۷ھ میں اردو کلام کو شامل کرنے کی روایت درست نہیں ہے۔ایک اور دلیل بھی محلِ نظر ہے۔

''فائز کی ولادت گیارہویں صدی ہجری کے اواخر اور وفات ۱۱۶۱ھ میں ہوئی۔ حاتم ان سے چند سال بعد ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔اور ان کے انتقال کے چھیالیس برس بعد ۱۱۹۷ھ میں وفات پائی۔اس لیے فائز سے متقدم ہونے کا کیا ذکر وہ ان کے ہمعصر بھی نہ تھے۔''[1]

قاضی عبدالودود کے مطابق فائز کا سالِ ولادت ۱۱۰۲ھ کے لگ بھگ ہے۔[2] حاتم کا سالِ ولادت ۱۱۱۱ھ ہے۔اس طرح فائز و حاتم کی عمر میں صرف نو سال کا فرق ہے۔ دونوں معاصر کہلائیں گے۔معاصر کا اطلاق وفات پر نہیں۔تاریخِ ولادت سے طے کیا جائے گا۔

فائز کا غالب حصۂ کلام ولی کی زمین میں ہے۔یعنی ۴۶ میں ۳۳ واضح طور پر نشان دہی کر رہی ہیں کہ فائز کے پیشِ نظر ولی کا دیوان ہے اور ولی کا دیوان ۱۱۳۲ھ میں دہلی وارد ہوا۔ان ہم طرح غزلوں کی کثرت سے حاتم کے بیان کی مزید توثیق ہوتی ہے:

''سنہ دوم فردوس آرام گاہ دیوانِ ولی در شاہِ جہاں آباد آمدہ و اشعارش بر زبانِ

---

[1] دیوان فائز۔۸۷

[2] عیارستان۔۲

خوردو بزرگ جاری گشتہ۔"[۲]

آبرو، مضمون، یک رنگ کی طرح فائز نے بھی نئی تحریک حاصل کی ہو۔اور ۱۱۳۲ھ کے آس پاس شعر کہنا شروع کیا ہو۔ان شکوک وشواہد کی روشنی میں دیوانِ فائز کو شمال ہند کا سب قدیم اردو دیوان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف ایک قیاس ہے یہ قیاسی تکرار بھی مہمل اور مغالطہ آمیز ہے کہ ولی کے دیوان کی آمد سے شمالی ہند میں شاعری کا آغاز ہوا۔ پوری بحث کے لئے دیوان زادہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر محمد حسن کا مرتب کردہ دیوان آبرو جسے انہوں نے موجودہ تحقیقات کی روشنی میں شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان کہا ہے۔اور اس احتیاط کے ساتھ کہ جب تک حاتم کا قدیم اردو دیوان دستیاب نہ ہو جائے۔

"فائز کے بعد اولیت کے اعزاز کا حق صرف حاتم اور آبرو کو ملتا ہے۔ حاتم کا دیوان دستیاب نہیں ہوتا۔صرف نظر ثانی کے بعد مرتب کیا ہوا دیوان زادہ ملتا ہے۔ جو یقیناً بہت بعد کا کلام ہے۔ ایسی صورت میں آبرو کا دیوان یقیناً شمالی ہند میں اردو کا پہلا مستند دیوان ہے۔ جواب تک دریافت کیا جا سکا ہے۔"[۱]

پروفیسر محمد حسن کا خیال صحیح ہے کہ اولیت کا مسئلہ صرف حاتم اور آبرو کے درمیان ہے فائز اس میں شامل نہیں۔ یوں بھی ضخامت کے اعتبار سے فائز کا کلام صرف چالیس غزلوں اور چند نظموں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک مختصر دیوان کی صورت بھی نہیں رکھتا۔ جب کہ حاتم و آبرو کے کلام کی ضخامت اور جامعیت کئی گنا زیادہ ہے پروفیسر محمد حسن نے اقرار کیا ہے کہ اگر حاتم کا قدیم دیوان دستیاب ہو جائے تو انہیں کو اولیت کا شرف حاصل ہوگا۔ قدیم

---

[۱] دیوان آبرو۔ ۲۵

دیوان کے انتخاب کی بازیافت کے بعد انہیں کے قول کے مطابق آبرو کی اولیت ختم ہو جاتی ہے۔اور قدیم دیوانِ حاتم کا یہ انتخاب شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔کیوں کہ یہ طے شدہ ہے کہ حاتم نے ۱۱۴۲ھ میں اپنا قدیم دیوان مرتب کیا تھا۔

اولیت کی گفتگو سے یہ مقصود ہے کہ آبرو کا دیوان مرتبہ ۱۱۴۶ھ ابھی تک شائع نہیں ہوسکا ہے۔نہ اس مخطوطے کی بازیافت ہوسکی ہے۔بعد کے نسخوں کی مدد سے دیوان شائع ہوا ہے حاتم کا دیوانِ قدیم مرتبہ ۱۱۴۲ھ بھی پردۂ خفا میں ہے۔اس دیوان کا انتخاب راقم نے ۲۰۱۰ھ سے شائع کیا ہے۔جو پورا دیوان نہیں ہے ناچیز نے اسے شمالی ہند کا پہلا اردو دیوان لکھا ہے۔اس پس منظر میں قطبی کا یہ تیرہ ماسہ شمالی ہند کا دوسرا سب سے قدیم شعری مجموعہ ہے جو مکمل ہے اور سب سے قدیم بھی ۔یہ اٹھارویں صدی کے سب سے قدیم منظوم کلام کی دریافت ہے جو اولیت کا شرف بھی رکھتا ہے۔گو یہ دیوان نہیں مگر منظوم طویل بیانیہ ہے۔اور معلوم شدہ تینوں نسخوں میں سب سے قدیم ہے۔کیوں کہ ترقیمہ کی عبارت سے یقین ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۱۵۸ھ سے قبل رقم کیا گیا۔گمان غالب یہ ہے کہ تخلیق کے پندرہ سال بعد اس مسودہ کی کتابت ہوئی ہے۔بہت ممکن ہے کہ قطبی کی حیات میں یہ مسودہ لکھا گیا ہو۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قطبی کے تیار کردہ نسخہ کی نقل ہو۔حقیقت جو بھی ہو یہ طے شدہ ہے کہ یہ ایک اہم ترین مخطوطہ ہے اور قدیم شعری بازیافت کا شاہ کار ہے۔

زیرِ ترتیب تیرہ ماسہ دراصل کئی مخطوطات کے مجموعہ میں شامل ہے۔ولی، قطبی، حاتم اور آبرو کے کلام کو ایک ہی کاتب نے رقم کیا ہے۔رحمت خاں بن فیروز خاں نے ان چاروں شعرا کے کلام کو بہ قول ان کے بہ طریق مسودہ بکمال استعجال لکھا ہے۔ولی کا کلام ضخیم

ہے۔آبرو کا کلام تین جز اور ایک ورق پر مشتمل ہے۔حاتم کا انتخاب صرف ایک جز کا ہے۔ قطبی کا تیرہ ماہیہ چار ورق پر مشتمل ہے سب میں ایک کاتب ایک قلم ایک ہی اندازِ خط اور طرزِ اہتمام موجود ہے۔حاشیہ اور حوض کا خیال رکھا گیا ہے۔کاغذ دبیز ہے۔روشنائی سیاہ اور قلم بہت پختہ ہے خط شکستہ آمیز اور قدیم اسلوبِ تحریر ہے اور پرکشش بھی ہے۔دیوان آبرو کے اختتام پر حسب ذیل ترقیمے کی عبارت درج ہے۔:

''تمام شد نسخۂ دیوانِ آبرو بتاریخ بست ونہم شہر ربیع الثانی بخط رحمت خاں بن فیروز خاں بطریق مسودہ بکمال استعجال نوشتہ شد۔ ۲۸ جلوس مطابق ۱۱۵۸ھ ہر کہ مطالعہ نماید بدعاء خیر یاد آرد''

اس ترقیمہ کی شہادت مخطوطہ کے استناد کے لئے کافی ہے۔یقین ہے کہ تمام کلام کی کتابت چند ماہ میں مکمل ہوئی ہوگی کئی اعتبار سے یہ مخطوطہ ان مول رتن کی طرح ہے کیونکہ یہ شمالی ہند کی اردو شاعری کی قدیم ترین تحریر و کتابت کا گراں قدر نمونہ ہے۔قطبی کا تیرہ ماسہ بکٹ کہانی سے تقریباً سو سال بعد کی تخلیق ہے اور تخلیق کے پندرہ سال کا یہ دستیاب مسودہ موجود ہے۔اغلب ہی نہیں یقین ہے کہ خود فن کار کی زندگی میں اس کی کتابت ہوئی ہے۔ جب کہ سو سال قبل تخلیق پانے والے بکٹ کہانی کا کوئی مسودہ یا مخطوطہ اتنا قدیم نہیں حاصل ہوسکا ہے۔محمد افضل کی تخلیق کے جتنے مسودے یا مخطوطے ہیں وہ بہت بعد کی کتابت کے نمونے ہیں۔بکٹ کہانی کا سب سے قدیم نسخہ ۱۲۴۰ھ کا ہے۔جو حیدر آباد میں موجود ہے یہ مخطوطہ افضل کے انتقال کے تقریباً ۱۹۹ سال بعد لکھا گیا ہے۔محمد افضل کی وفات ۱۰۳۵ھ (۱۶۲۵ء) میں ہوئی۔گویا قطبی کے تیرہ ماسہ کی تخلیق اور افضل کی بکٹ کہانی کی تسوید

وکتابت میں تقریباً دوصدی کا فرق ہے کلام ولی کے قدیم ترین مخطوطے کی کتابت بھی اسی دور کی یادگار ہے وہ دکن کے شاعر ہیں۔ یہ امر طے شدہ حقیقت ہے کہ یہ نسخہ قدیم ترین اور سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

ہندوستان کے موسم، منظر اور ماہ وسال کی مختلف کیفیات نے ہر ذی شعور کو اپنا اسیر بنایا ہے۔ اسی سبب یہاں کے فنونِ لطیفہ میں جذبہ و جمال کا ہر تاثر اور ان گنت روپ موجود ہیں۔ تخلیق محض خلاؤں میں پروان نہیں چڑھتی اور نہ ہی ستاروں کی گزرگاہوں پر کمند ڈالنے کی جسارت کرسکتی ہے۔ وہ بالائے آسماں کو سطحِ زمین پر اُتارتی ہے۔ مشاہدات کی بدولت فن کے ایوان ومحل تعمیر کرتی ہے۔ سبزہ وگل زمین پر برگ وبار لاتے ہیں۔ محسوسات کے نازک ترین پیکر بھی مشتِ خاک کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے مرزبوم سے روئیدگی حاصل کرنے والا ادب ودانش بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ اردو شعروادب کا نقشِ اول اسی خاک وخمیر سے تیار ہوا۔ اس کی سرشت اور شرائن میں یہ خونِ گرم بن کر رواں ہوا۔ اس کی سب سے محترم اور مسلم مثال بارہ ماہیہ کی مستحکم روایت ہے، جس میں ہندوستان اور صرف ہندوستان نظر آتا ہے۔ یہ سنسکرت اور ہندی کی شان دار روایت سے مستفیض اور مستعار ہے ۔مگر ان کے ہم دوش بھی ہے۔ بھلا ہو ڈاکٹر تنویر احمد علوی مرحوم کا جنھوں نے ۱۹۸۸ء میں اردو میں بارہ ماسے کی روایت جیسی قابلِ ذکر کتاب لکھ کر اس صنفِ سخن کو گراں مایہ بنادیا ۔اس وقت تک انہیں زیرِ مطالعہ متن حاصل نہ ہوسکا تھا۔ اس لیے اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

قطبی خواہ دکن کے ہوں یا شمال کے، ان کے احوال تاریخوں یا تذکروں میں تقریباً نایاب ہیں۔ دکن کے قطبی کے بارے میں چند کتابوں میں بطور تبرک تذکرہ ہے اور کچھ

اشعار حوالے کے طور پر درج ہیں۔ دونوں قطبی کے درمیان مغالطے بھی ہیں۔ شکر ہے کہ اب ''تحفہ'' کے خالق قطب رازی کو قطبی دکنی سے الگ شاعر ثابت کیا جا چکا ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی[1] کی تحقیق کو ڈاکٹر سیدہ جعفر[2] وغیرہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ شمالی ہند کے قطبی سے ہم نیم آشنا ہیں۔ تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں۔ ''نکات الشعرا'' کے مصنف میر تقی میر کسی حد تک قطبی سے زمانی قربت رکھتے ہیں۔ وہ بھی خاموش ہیں۔ آبرو و حاتم کا ذکر تو ہے مگر نکات میں قطبی کا ذکر نہیں کرتے۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے پہلی بار اپنے مقالے ''ہریانی زبان میں تالیفات'' میں قطبی کے تیرہ ماسے کا تذکرہ کیا تھا۔

''اس کے نسخے نہایت کمیاب ہیں۔ مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے۔ پہلا انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور فہرست مخطوطات میں بہ ذیل ۹۳ شمارہ ۷ میں درج ہے۔ دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جس کو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۷۹ھ بہ مقام رہتک نقل کرتا ہے۔''[3]

اس تیرہ ماسے کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ وہ رہتک کے رہنے والے اور شیخ زادہ ہیں اور اکرم نام ہے۔ وہ شیخ قطب الدین حبیب کے مرید تھے۔ شیخ حضرت ابوصالح قطب کے تیسرے بیٹے حضرت قمیص کی اولاد ہیں۔ قصبہ سادھوڑا میں ان کی خانقاہ واقع ہے۔ یہ دہلی سے ملحق ہریانہ صوبے میں واقع ہے۔ قطبی نے کلام میں ذکر کیا ہے:

---

[1] تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی، جلد اول ص۔ ۴۸۶

[2] تاریخ ادب اردو، جلد سوم، سیدہ جعفر ص۔ ۴۵۷

[3] بحوالہ فکر و نظر۔ ۱۹۷۱ء، جلد دوم شمارہ ۲، ص۔ ۱۱۰

کٹیا میں بحر قطب کے پاس دوڑا
کہ جن کا ہے وطن حضرت سا دھوڑا

ابو صالح قطب کے تیسرے پوت
قمیص اعظم جی کے اولاد اور ہوت
مجھے اونہوں مرے گھر میں بتایا
اونہاں سے میں گھروں کوں ہے آیا
ہوا پلٹا گہہ آخر آوتے گھر
اگر چہ اوڑ چلا تھا لائے کر پر
ارے قطبی صبح کوں ہوئے سیلا
صبر کر ایک شب اور پھر اکیلا
قطبی تیرے ہولا گھر میں پائیا
قطب الدین حبیب حسین منگل گائیا

غالباً بر بنائے عقیدت اکرم نے قطبی تخلص اختیار کیا۔ وہ کلام میں جا بجا شیخ قطب الدین سے اپنی والہانہ وابستگی کا اظہار کرتے ہیں، ان کے عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔ شاید بیعت بھی ہوں قطبی کی اردو شاعری میں غالباً پہلی مثال ہے کہ وہ اپنی گہری عقیدت اور بے پناہ ارادت کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ اس کثرت کا اظہار دوسرے شعراء کے یہاں شاید نہ ملے:

قطب کے چرنوں پر بلہار قطبی
جاؤں میں جیو سیں واری وار قطبی

ارے قطبی قطب کے ہو ہے قرباں
کہ جن دکھلایا تج کو جانجاناں
اسی کے لطف سوں کشتی ہوئی پار
نہیں تو نے رکھا بیچ منجدھار
تصدق ہو نبیؐ کے اور علیؓ کے
دگر اصحاب ہر چاروں ولی کے

قطبی حاتم و آبرو کے معاصر ہیں اور نواحِ دہلی کے رہنے والے ہیں رہتک دہلی سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات کے بارے میں بھی کوئی اطلاع موجود نہیں ہے۔

گنوائے سونچ اور غفلت ماں اٹھتیس
پھنسا در دام آن شیطانِ ابلیس

اس شعر سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ تیرہ ماہیہ کی تخلیق کے وقت قطبی اڑتیس برس کے تھے۔ یہ ۱۱۴۳ھ میں مکمل ہوا۔ اگر اس میں اڑتیس سال کم کردیں تو ۱۱۰۴ھ یا ۱۱۰۵ھ میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی۔ گویا وہ حاتم سے تقریباً سات سال بڑے تھے۔ کیوں کہ شاہ حاتم کی پیدائش کا سال ۱۱۱۱ھ ہے۔ آبرو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۳ء) میں پیدا ہوئے۔

جوسن اٹھتیں میں دھولن ملاؤ
گویا سو لاکھ بندی کو چھوڑاؤ

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل نے ''فکر و نظر'' علی گڑھ میں ۱۹۷۱ء کے شمارہ ۲ جلد ۲ میں

''بکٹ کہانی کا مصنف اور اس کا وطن'' کے تذکرے میں مقالے کے آخری حصے میں قطبی کی اس طویل نظم کا حوالہ دیا ہے۔ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل نے کسی دوسرے مخطوطے کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ حافظ شیرانی کے مقالے سے استفادہ کرتے ہوئے جو اشعار قلمبند کئے ہیں، ان کے بارے میں بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس مخطوطے سے نقل کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان مطبوعہ اشعار اور میرے ذاتی نسخے کے متن میں کہیں کہیں اختلاف موجود ہے۔ شاید ان کے پیشِ نظر کوئی اور مخطوطہ ہو۔ انہوں نے اس تیرہ ماسہ کی مدد سے بکٹ کہانی کے مصنف کے نام اور وطن کا تعین کیا ہے جس سے اس مخطوطہ کی اہمیت ناگزیر ہوگئی ہے۔ محمد افضل کے اصلی نام اور وطن کے بارے میں مورخوں اور ناقدوں میں قیاسات کی بڑی کارفرمائی رہی ہے جس کا تصفیہ قطبی کے کلام سے ممکن ہوسکا ہے۔

او سے افضل کہ جس کا نانو گوپال
کہا ہے نارنولے صاحب حال

قطبی کا یہ بیان افضل کے سلسلے کے سارے مباحث کے لئے ایک فیصلہ کن دستاویز ہے۔ قطبی نے افضل کے بارہ ماسے سے استفادہ کرتے ہوئے یہ تیرہ ماسہ اسی طرح قلم بند کیا ہے۔ افضل کے بارے میں قطبی کا یہ سب سے قدیم حوالہ ہے جو مستند ہے اور معتبر بھی۔ قطبی نے یہ تیرہ ماسہ ۱۱۴۳ھ بہ مطابق ۱۷۳۱ء میں لکھا۔ گویا شاہ حاتم دہلوی کے قدیم دیوان کی ترتیب کے ایک سال بعد لکھا گیا۔ تاریخی اعتبار سے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کا بھی ذکر نظم کے آخر میں موجود ہے۔ یعنی جلوسِ محمد شاہی کا تیرہواں سال ہے:

محمد شاہ کی رہے بادشاہی
لگا سن تیرہ از فضلِ الٰہی

قطب میرے کا جُگ جُگ راج ہیو
گنگا جمنا میں جب لک نیر بہیو

یہ تیرہ ماسا شاہ مبارک آبرو کے مرتبہ دیوان سے کئی سال قبل لکھا گیا ہے۔ آبرو کے دیوان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۱۴۶ ہجری میں ترتیب دیا گیا۔ اگر چہ ابھی تک نسخہ برامد نہیں ہوسکا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ تیرہ ماسا شاہ حاتم کے بعد دوسرا شعری مجموعہ یا طویل نظم ہے جو ۱۳۲۵ اشعار پر مشتمل ہے اور شمالی ہند کی شاعری کے دورِ اول کی ثروتِ شعری میں قابلِ ذکر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایک طویل بیانیہ نظم ہے جو بکٹ کہانی کے بعد سب سے بڑی نظم ہے۔ حاتم و آبرو نے بھی طویل نظمیں قلم بند کی ہیں مگر وہ اتنی ضخیم نہیں ہیں۔

''انتخابِ حاتم'' (دیوان حاتم) مطبوعہ ۱۹۷۷ء میں راقم نے مقدمے میں اس مخطوطہ کا ضمناً تعارف پیش کیا تھا۔ یہ الگ سے مجلد مخطوطہ نہیں ہے بلکہ چار شعرا کے انتخابِ کلام کا مجموعہ یا بیاض ہے جس میں حاتم، آبرو، ولی اور قطبی کا کلام شامل ہے۔ اسے انتخاب یا بیاض کہنا زیادہ مناسب نہیں ہے، کیونکہ آبرو اور ولی کا تقریباً پورا دیوان موجود ہے اور قطبی کا تیرہ ماسا بھی مکمل ہے۔

ڈاکٹر حنیف نقوی نے آبرو (۲۴ر رجب ۱۱۴۶ھ ۲۰ر دسمبر ۱۷۳۳) کے ایک بیاض کی نشان دہی کی ہے، جو ان کے ذخیرۂ نوادارت میں موجود ہے۔ انہوں نے اس پر ایک تعارفی مقالہ قلم بند کیا، جو ماہ نامہ 'آج کل' دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔ اس بیاض میں فارسی، اردو اور ہندی کے بہت سے شعرا کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔

قطبی کی غزل کے پانچ اشعار بھی دستیاب ہیں۔اس حوالے سے قطبی پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے۔وہ آبرو حاتم کے معاصر تھے اور معاصر شعرا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

آبرو نے اپنے کلام کے ساتھ اشرف، قمر، شاکر ناجی، مسکیں نقش بندی، مرہون، ممنون، احمدی، عبدل، عاشق، مدن، رضی وغیرہ کے ساتھ قطبی کی غزل کا انتخاب کیا ہے، جس سے ان کے استناد کا پتہ چلتا ہے اور معاصرین کی نظر تحسین کا بھی علم ہوتا ہے۔تبرک کے طور پر قطبی کی غزل کے اشعار نقل کئے جاتے ہیں:

نینا پلک کٹاری یہ کس کو مارتا ہے
شوخی سجن کی دیکھو ماتا گمان کا ہے
پگڑی کے بیچ کھل کے گل بیچ پڑی ہے سیلی
بانکی ادا سوں آتا دلبر پٹھان کا ہے
ہر تیر اس نگہ کا لگتا نشانِ دل پر
ہاتھوں میں خوش رنگیلا قبضہ کمان کا ہے
اس زلفِ ناگنی سوں ہرگز نہیں خلاصی
ہونٹوں کی لالی دیکھو پیاسا وہ جان کا ہے
قطبی فقیر دائم دیوانہ ہے درس کا
تجھ واسطے نکارا خوبی جہان کا ہے

اس غزل کی زبان اور بیان تیرہ ماسہ سے کس قدر مماثل ہے۔قطبی کی یہی غزل اب تک دریافت ہوسکی ہے۔اس سے ان کی غزلیہ شاعری کا بھی ثبوت ملتا ہے۔اور زمانۂ حیات کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

عام طور پر سال کے بارہ مہینوں میں پیدا ہونے والے انسانی ہجر وصال کے مختلف

جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ تیرہ ماسہ ہے، جو ہندی تقویم کے مطابق لوند لگنے کی وجہ سے سال کا شمار تیرہ ماہ تک بڑھ جاتا ہے۔ قطبی کی بدنصیبی تھی کہ انہیں بھی دوست کی رفاقت کو تیرہ ماہ تک انگیز کرنا پڑا۔

پیشِ نگاہ خطی نسخہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ حافظ محمود شیرانی کا مملوکہ مخطوطہ ۱۲۷۹ء کا لکھا ہوا ہے جب کہ راقم کا نسخہ اس سے تقریباً سوا سو سال سے زیادہ قدیم کتابت کیا ہوا ہے۔ متن بھی زیادہ درست ہے۔ انڈیا آفس کا مخطوطہ میری رسائی میں نہیں ہے۔ لیکن اغلب ہے کہ یہ بھی بعد کا لکھا ہوا ہوگا۔ یقین کہتا ہے کہ موجودہ نسخہ شاعر کے حینِ حیات کا ہے۔ اس کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ افضل کے نام اور مولد و مسکن پر اختلافی بحث کا حتمی فیصلہ اسی تیرہ ماسے سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ شمالی ہند کے شعری سرمایہ میں ایک خوش گوار اور نہایت اہم اضافہ بھی ہے۔

شاہ مبارک آبرو کے کلام کے اختتام پر ایک ترقیمہ ہے جس میں ۱۱۵۸ ہجری درج ہے۔ بعد ازاں ان کی مشہور نظم ''مثنوی آرائشِ معشوق'' کی کتابت ہوئی اور اس کے آخر میں ۱۱۶۱ ہجری کا اندراج ہے۔

بارہ ماسہ کی روایت میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اس کا آغاز اساڑھ مہینہ سے ہوتا ہے۔ پدماوت میں جائسی کا ہیرو اپنی محبوبہ پدماوتی کی تلاش میں در بدری کا شکار ہوا۔ ناگ متی کے ہجر کا آغاز اساڑھ سے ہی ہوتا ہے، گویا برسات کا پہلا مہینہ برہ یا محبوب سے دوری اور احساس کا حرفِ آغاز ہے۔

افضل نے اس سے انحراف کیا ہے۔ اور بکٹ کہانی کی ابتدا ساون سے کی ہے:

چڑھا ساون بجا مارو نقارا　　سجن بن کون ہے ساتھی ہمارا
چلا ساون مگر ساجن نہ آئے　　اری کن دوتیوں نے ٹونے چلائے

وحشت نے اپنے بارہ ماسہ کی روایت پھاگن سے شروع کی ہے۔

چلا آتا ہے پھاگن کا مہینہ مجھے دوبھر نظر آتا ہے جینا

اکرم قطبی نے اساڑھ سے آغاز کیا ہے۔ اپنے پیش رو کی پیروی کی پرواہ نہیں کی ہے۔ اساڑھ کی آمد سے پہلے قطبی نے ایک خوب صورت گریز پیش کیا ہے۔ وہ نہانے گئے تھے وہاں ایک پری پیکر کو دیکھتے ہی ہوش وحواس کھو بیٹھتے ہیں اور عشق میں مبتلائے آلام کی بڑی دل دوز کہانی پیش کرتے ہیں۔ یہ تفصیل اکیاون اشعار پر مشتمل ہے۔ شروع کے دو اشعار میں محبت کی ازلی اور ابدی حقیقت کا اظہار کر کے کہانی شروع ہوتی ہے۔

شنواے دوستاں قصائے ہمن کا جو کیا بھاری ہوتا ہے دوکھ لگن کا
گیا تھا ایک دناں میں نہان کی تان حسن تیرتھ اوپراشنان کے تان
وہاں ایک سرو سیم اندام محبوب نہ آوے وصف جس کے مکھ سیتی خوب
برہ کا میں اچانک تیر کھایا کریجا ہاتھ پکڑیں گھر کو آیا
کوئی بولا کہ اس کو ناگ کھایا کہیں اس کے بدن میں ڈنک لایا
ارے یہ تیر کاری جس کے لاگے نہ جیوے نامرے سودے نہ جاگے

سیم بر کے جنونِ عشق میں دیوانگی بڑھتی گئی۔ تلاش یار میں در بدر کی درماندگی مقدر بن گئی گریز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تھکا اب ہار کر بیٹھا ہوں یک ٹھانو نہ پایا شہر شہر وگانو در گانو
ایسی حالت میں رُت برسات آئی کری تھی کیا بری میں نے کمائی
آیا مانس اساڑھ فوج سنگاریں نیہہ کی کیسی گھڑی سہات سدھ نہیں اپنے گریہہ کی

اساڑھ سے شروعات کے علاوہ اکرم قبطی نے ہر ماہ کا آغاز دوہرے سے کیا ہے جو نظم میں مستعمل بحرے مختلف ہے۔ اور کاتب نے ہر ماہ پر نشان بھی لگا دیا ہے۔ شاید اصل

مخطوطہ میں ایسا ہی ہتمام کیا گیا ہو۔ بحر کے انتخاب میں قبطی نے اپنے ہم وطن محمد افضل کی پیروی کی ہے۔ یہی نہیں تعدادِ اشعار میں ان کی روایت دل سے قبول کی ہے۔ یعنی دونوں جگہ ۳۲۵ اشعار ہیں۔ محمد افضل نے مثنوی کی مروجہ بحر یعنی بحر ہزج مسدس محذوف الاخر کو اپنایا ہے یہ بحر مثنویوں کے لئے عام طور پر مقبول ہے۔ اس میں بیانیہ کے علاوہ آہنگ کا حسنِ ترتیب اور تاثیر بھی بھلا لگتا ہے۔ اکرم قبطی نے محمد افضل سے بہت استفادہ کیا ہے۔ لفظیات کے علاوہ کئی جگہ ان کی ترکیبوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مگر اپنی انفرادی تخلیقی صلاحیتوں کے نقوش کو نمایاں بھی کیا ہے۔ عربی آیات وکلمات کے تضمین میں وہ منفرد ہیں۔ اسالیب میں بھی اپنا امتیاز برقرار رکھا ہے۔ دونوں کے قصے بھی قدرے مختلف ہیں بکٹ کہانی دوشیزہ کے دردِ ہجرت سے شروع ہوتی ہے۔ جب کہ قبطی نے مردِ جواں سال کا ماہ وش کی محبت میں اسیری سے آغاز کیا ہے۔ جو آہستہ آہستہ ہجرت زدہ عورت کے جذبات کی ترجمانی میں تبدیل ہو جاتا ہے آخر آخر وہ عشق مجاز سے حقیقت کا روپ اختیار کرتا ہے۔ اور عرفان ذات کا وسیلہ بن جاتا ہے۔ یہ ایک دل چسپ مطالعہ ہے جو خام صوفیانہ فکر کا محور ومصدر رہا ہے وجودِ حقیقی تک رسائی کا یہ ایک دل فریب تصور تھا جو ایک مخصوص حلقے میں مقبول عام تھا۔ قطرہ ودریا کا خیال بھی اسی فکر کا ایک دوسرا پہلو تھا۔ قطرہ کا دریا سے جدائی کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا رہا ہے۔ مولانا روم نے آغاز کیا تھا کہ حسنِ ازل سے الگ ہو کر کائنات کی ہر شے آہ وفغاں میں مصروف اور حسن ازل میں مدغم ہونے کے لئے بے قرار ہے بانسری کی آواز اسی فغان ازل کا اظہار ہے جو نیستاں سے دور ہونے کے سبب ہے۔

اصل سے جدائی کا غم آفاقی ہے۔ یہ تصور فکری مشق وریاضت کا محور قرار پایا۔ اکرم قطبی ابوصالح کی خانقاہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ مزاج بھی صوفیانہ تھا۔ اس خیال کی باز گشت سے وہ کیوں کر محفوظ رہ سکتے تھے۔ ہجر کے بیان میں یہ خیال کارفرما نظر آتا ہے۔

ترا تو عرش کرسی تک مکاں ہے　　قدیمی گھونسلا اصلی اونہاں ہے
جو اصلی گھر کو چھوڑا تب پڑا دکھ　　بناں اوس گھر کہاں اَت پائے سکھ

اس سے متعلق دوسرے موضوعات ملاحظہ ہوں۔

گیا ہے عشق میں دیوانگی سیں
مجازی کے بناں فرزانگی سیں

کرو نحن واقرب کو صحیح رے　　وہی ہے سب جگہ حاضر وہی رے
مرا دلدار تھا میرے ہی گھر میں　　بیٹھا اک بات کے اوں ہی سنا تھا

سب نے بارہ ماہیہ لکھا۔ مگر قطبی نے ایک ماہ کے تکرار یا تسلسل کو جوڑ کر تیرہ مہینوں کے کرب واضطراب کو موضوع بنایا۔ جیٹھ میں لون یا ملماس لگ گیا۔ جو فعالِ نیک تھا۔

مہینا تیرہواں جب جیٹھ لاگا
میرا دوکھ لکھتے ہیں اس مانس بھاگا

قطبی کی یہ انفرادیت انہیں دوسرے تخلیق کاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ قطبی اور ان کے دوسرے معاصرین کی سخن وری نے دہلی دبستانِ شاعری کو ابر نیساں کی طرح شادا ب سرزمین بخشی ہے۔ یہ دراصل دبستان دہلی کا دور اول ہے۔ جس نے زرخیزی اور قوت نمو سے عہدِ میر و میرزا کو برگ وگل کے ساتھ ثمر بار بھی کیا ہے۔ اس ابتدائی دور کی تخلیقات کا احتساب یا اعتراف کیا جانا باقی ہے۔

قرآن مقدس ترین مذہبی کتاب ہے۔ یہ صحفِ سماوی کی آخر تنزیل اور بنی نوع بشر کی ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ انسانی ذکر وفکر کے تمام گوشے اس برگزیدہ کتاب سے منور اور متاثر ہوئے ہیں۔ علم ودانش کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے۔ جس نے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ شعر وادب پر بھی اس کے موثرات نے تحقیق وتنقید کو جلا بخشی ہے۔ تخلیق کی عظمت اور

ابدیت کا معیار بھی اس کلامِ ناطق سے متعین ہوا ہے۔ خاص طور پر عربی وفارسی اور اردو ادب پر جہاں جہاں اس کا پرتو پڑا ہے وہ شاہکار تسلیم کئے گئے ہیں۔ دکن سے قطعِ نظر حیرت ہوتی ہے کہ شمالی ہند کے ابتدائی دور کی سخن وری میں بھی یہ تخلیقی حوالے موجود ہیں۔ قطبی کا کلام تنزیل کے حوالے سے ایک حیرت افروز تخلیق ہے۔ دوسرے فن کاروں کے مقابلے قطبی کا ایک خاص امتیاز یہ بھی ہے کہ انہوں نے آیاتِ قرآنی سے اپنی مثنوی کو پرنور کیا ہے۔ ان سے پہلے کی تخلیق افضل کی بکٹ کہانی میں یہ صورت موجود نہیں ہے۔ نہ یہ حوالے ہیں اور نہ ہی ان سے روشنی طلب کی گئی ہے شاید ان کا مطالعۂ قرآن کم ہو یا گوپال ہونے کے سبب مناسب نہ سمجھا ہو۔ بعد کے شعراء میں شاہ حاتم کے یہاں کچھ اشارے موجود ہیں۔ آبرو وغیرہ کے یہاں یہ حوالے شاذ ونادر ہیں بہ حیثیت فن کار قطبی نے کلام میں گہری معنویت کے لئے ان قرآنی آیات کو بہ طور تلمیح وتضمین کر کے اپنے فن کو معنی خیز بنا دیا ہے۔ ان آیات کو عشقیہ مثنوی میں شامل کر کے قطبی نے کلام کو عظمت وجمال سے ہم آمیز کیا ہے اور ان آیات کے مطالعہ سے فن میں تلمیح واشارات کی ایک دنیا آباد کی ہے۔ مثنوی کا حرفِ آغاز ابتدائے آفرینش کی تلمیح سے ہوتا ہے۔ قطبی نے اس پیمانِ وفا سے شروع کرنے کا بہت ہی حکیمانہ جواز پیدا کیا ہے۔ خالق کائنات سے ارواحِ عالم کا اقرار واعتراف رسمِ محبت کا حرفِ اولیں ہے۔ قرآن کی اس آیت کریمہ کا شعر وادب میں بار ہا ذکر ہوا ہے۔ اسے خالق ومخلوق کے درمیان عہد نامہ قرار دیا گیا ہے۔ بندہ وآقا کے درمیان محبت کا یہ رشتہ وپیوند ازلی ہے اور ابدی بھی۔ اسی کے پرتو فیضان سے عشق ومحبت کی ازلی نسبت قائم کی گئی۔

پیتم پریت کی ریت بدھنار چی الست سیں
قالو بلیٰ اتیت کہہ چھوٹے ہیں سب سیں

یہ سورہ الاعراف کی ۱۷۲ویں آیت کا ٹکڑا ہے۔

الست بربکم ۔ قالو بلیٰ شھدنا

(کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔ بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں)

اس کے بعد دوسری آیت ملاحظہ ہو

تعز من تشاء حکم دینا

تذل من تشاء لکھ جودینا

یہ سورہ آل عمران (پارہ ۳) کی ۲۶ویں آیت کا حصہ ہے۔

(اور عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے)

اس کے بعد دوسرا شعری حوالہ ہے جو مقدس صحیفہ کی مشہور آیت کریمہ سے مستعار ہے۔ دونوں مصرعوں میں الگ الگ آیات ہیں۔

ذکراز فاذکرونی پیار کینا

زنحن واقربم نزدیک لینا

یہ سورہ البقرہ (پارہ ۲) کی ۱۵۲ویں آیت ہے۔

فاذکرونی اذکرکم وشکرولی ولا تکفرون

(سوتم یاد کرو مجھ کو میں یاد کروں تم کو اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو)

اس شعر کے دوسرے مصرع میں دوسری تلمیح ہے پوری آیت حسب ذیل ہے۔

ونحن اقرب الیه من حبل الورید

(اور ہم اس کے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے زیادہ)

یہ سورہ ق (پارہ ۲۶) کی آخری آیت ہے۔

فلسفہ ہو یا دین ودانش۔ ہر جگہ اللہ کی موجودگی کا عرفان کیا جاتا رہا ہے۔ اسلامی فکر میں الہیات پر گفتگو کا یہ ایک مصدر رہے۔ قطبی نے ایک دوسرے شعر میں بھی اسے منظوم کیا ہے۔

کرو تم نحن اقرب کو صحیح رے
وہی ہے سب جگہ حاضر وہی رے

ایک اور آیت ملاحظہ ہو:

کیا ہے مجھ کوں ان آیت نے آگاہ
پڑھا لا تقنطو ا من رحمت اللہ

یہ سورہ الزمر (پارہ ۲۴) ۵۲ ویں آیت کا حصہ ہے
(مایوس مت ہو اللہ کی رحمت سے)

ایک اور شعر پر نظر پڑتی ہے جس میں حضرت ابراہیم سے متعلق ذات باری کے عرفان وجود کا بڑا مکمل اور منطقی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ روشن چاند اور چمکتے ہوئے سورج کو دیکھ کر انہیں خالقِ ارض وسما سمجھ لینا اور پھر ان کے غائب اور غروب ہونے سے یقین کا فریب ثابت ہونا بتایا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم کو شمس وقمر کے چھپ جانے پر یقین آیا کہ یہ رب نہیں ہو سکتے:

خلیل آسا در ملکِ ختن زن
نوائے لا یحب الافلیں زن

فلما افل قال لا یحب الافلین

(پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا۔ میں پسند نہیں کرتا غائب ہونے والوں کو)

یہ سورہ الانعام (پارہ ۷) کی ۷۶ ویں آیت کا آخری حصہ ہے۔

ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

ھوالاول ھوالاخر ھواللہ

ھوالظاہر ھوالباطن ھواللہ

(وہی ہے سب سے پہلا اور سب سے پچھلا اور باہر اور اندر اور وہ سب کچھ جانتا ہے)

سورہ حدید (پارہ ۲۷) کی تیسری آیت کی پوری عبارت اس طرح ہے:

ھوالاول ھوالاخر ھوالظاہر ھوالباطن وھو بکل شئی علیم

صحیفۂ آسمانی کی ان آیاتِ بینات کو شعری تخلیق میں ثبت کر کے اکرم قبطی نے وصفِ خاص حاصل کیا ہے۔ پیشرو کے علاوہ بعد کی تخلیقات میں بھی کسی بارہ ماسہ کا یہ امتیاز نہ بن سکا۔ اگرچہ بعض تخلیق کار صوفی منش اور داعی دین بھی ہیں۔

ایک اور شعر میں حدیث کا حصہ نظم کیا ہے۔

پڑھو لاحول استغفار کیجئے

صدق دل سیں خدا کا نانو لیجئے

ایک دوسرے شعر میں عربی کا فقرہ استعمال کیا ہے اردو کے ساتھ نہیں فارسی شعر میں منظوم کیا ہے۔

اگر السعی منی خواندۂ تو

زمحنت پس چرا درماندۂ تو

تیرہ ماسا کے شروع میں ہی ایک شعر ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ذرا مختلف ہے۔

صرفنا العمر فی لھو ولعب

ما ہا ثم آ ہا ثم آ ہا

اس تفصیلی تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ قطبی نے اپنے کلام کو اسلامی آیات وآثار کے استعمال سے فنی وفکری دل کشی بخشی ہے۔اور نئی معنویت سے ہم کنار کیا ہے۔حسنِ استعمال بھی خوب ہے۔ جہاں بروقت ضرورت تھی بہت ہی موزوں جگہ دی ہے ان حوالوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔اس استعمال سے قطبی کی شخصیت اور دینی شغف یا سروکار کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔ان کے عربی وفارسی مطالعہ اور یادداشت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی نظر میں صحفِ سماوی کی حکمت ودانائی کو تخلیق کی روح میں کیے تحلیل کیا جاسکتا ہے۔اس نکتہ کو اقبال نے بھی سمجھا اور شعر کو فن کی عظمتوں سے ہم کنار کیا۔اسی سبب تیرہ ماسے کی تخلیقی فضا میں نور ونغمہ کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔جو اس دور میں ناپید ہے۔شاید حقیقت ومجاز کے اظہار مین اس نکتے کو ترجیح دی گئی ہے۔یہ حیرت کی بات ہے کہ کسی دوسرے بارہ ماسہ میں قرآن کی آیات کا اس کثرت وحکمت سے استعمال نہیں ہوا ہے۔ یہ بظاہر ایک محدود اور مقامی رنگ وآہنگ پر مشتمل ایک کہانی ہے جو زبان وبیان کے اعتبار سے بلند نہیں۔اس کا معیار واعتبار فروتر قرار دیا گیا۔عوامی بولی ٹھولی اور موسموں کی کیفیات پر منحصر موضوع کو بھی کیف وکم میں کم تر قرار دیا گیا۔خود نظم کا خالق بھی کوئی معروف شخصیت نہیں رکھتا۔وہ قابل ذکر بھی نہیں سمجھا گیا۔ چند ہی برس بعد اردو کا پہلا تذکرہ نکات الشعراء (۱۱۶۵ھ) قلم بند کیا گیا مگر اس میں حاشیہ پر بھی قطبی کا ذکر نہیں ملتا۔ بھلا ہو آبرو کی مختصر یادداشت کا کہ اس میں قطبی کی ایک غزل درج ہے۔ان سب کے باوجود قطبی کے مطالعہ پر حیرت ہوتی ہے۔وہ مختصر بیانیہ میں قرآن کے علاوہ فارسی کے متعدد اشعار کو اپنی نظم میں جگہ دیتے ہیں اور اشعار تضمین کرتے ہیں۔جن سے ان کے مشاہدات کی دنیا کا سراغ ملتا ہے۔ان کی حکمتِ شعر گوئی اور کلام کی دائمی معنویت پر دانشورانہ نظر کا بہ خوبی علم ہوتا ہے۔فارسی اشعار کے حوالوں سے کلام کا آہنگ اثر آفرینی ہو کر قاری کے قلب ونظر کو منور کرتا ہے۔فن کی ساحری دامنِ دل کو

متاثر کرتی ہے۔ یہ بھی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ فارسی زبان وادب پر ان کی نظر اور اظہار پر بھرپور قدرت ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ ان سے قبل ریختہ گوئی کے لئے فارسی اور ہندوی کی آمیزش سے اردو کا خمیر تیار ہو گیا تھا بہت دنوں تک اس کے اثرات اور اسالیب کے نشانات باقی تھے بلکہ پیروی بھی ہوتی رہی۔ مگر قطبی کے دور میں اس کا چلن معدوم ہو گیا اور آبرو کی تحریک کے زیر اثر اب اردو فارسی سے آزاد ہو چکی تھی۔ شاید اسی وجہ سے آبرو و حاتم اور ان کے معاصرین کی شعری تخلیقات میں فارسی اشعار کے حوالے بہت ہی کم دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ قطبی نے کلاسیکی اشعار سے اپنے کلام کو آراستہ کیا ہے۔ برمحل استعمال اور موزوں ترین مناسبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قطبی عربی و فارسی کے قدیم سرمایۂ تخلیق سے بہرہ ور ہے۔ مثنوی میں مستعمل اشعار خیال افروزی اور اسالیب نگارش کے امتیاز پر روشنی ڈالتے ہیں۔ حسبِ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

کمان عشق ہر جا گہ کند تیر
سپر داری بنان کار تدبیر
الٰہی غنچۂ امید بکشای
گلے از روضۂ جاوید بنمای
طبیبِ عشق را دوکاں کدام است
علاجِ جاں کند اورا چہ نام است

ایک دوسری مثال عربی فقرے کے ساتھ منظوم ہے۔

اگر السعی منّی خواندۂ تو
زمحنت پس چرا در ماندۂ تو

ایک اور صورت ملاحظہ ہو

سرو سیم اندام محبوب

ان کے علاوہ فارسی ترکیبیں بھی شعر کو نغمہ و آہنگ سے ہم کنار کرتی ہیں۔ قطبی کلام کو حسن آفریں اور معنی خیز بنانے کے اسالیب سے آگاہ تھے۔ آرائش فن کی آمیزش میں رمز و کنایہ کے ساتھ تشبیہہ و تلمیح سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ تاریخ کے تناظر یا واقعہ کے منظر کو روبرو لانے میں تلمیح بڑے مؤثر ہوتے ہیں صرف ایک لفظ کے استعمال سے ماضی کی پوری روداد نگاہوں میں گردش کرنے لگتی ہے اور بیانیہ قصے کی اثر آفرینی میں اضافہ کرتی ہے۔ پیش نگاہ تیرہ ماسے میں مثالیں موجود ہیں۔

ایک تلمیح دیکھئے جو اشاراتی ہے۔

ترا جلنا ہووے گلزار پیارے

انگارے سب ہوویں پھلوار پیارے

کردار اور واقعہ کا نام لئے بغیر عمومی اظہار میں صرف بلیغ اشاروں سے کام لیا گیا ہے۔

اچنبھے کا نیا یہ نیہہ لاگا

کہ جس کو سن کے حاتم عشق تیاگا

زلیخا وار بہتا خوار کیناں

مرے یوسف نے کیسا وار کیناں

زلیخا کی طرح بوری کہائی
ہوا مجنوں تب لیلی جو پائی
خلیل آسا در ملک ختن زن
نوائے لایحب الافلیں زن

ہندی تلمیح واساطیر کے اشارے بھی اہمیت کے حامل ہیں اور مشترک معاشرت کی تکمیل کرتے ہیں۔

گھر نہیں متھرا لال یوں ہیں گے دن تنت کے
آئے پھر اندر بجاوے نقارا

ان ترکیبوں کو دیکھئے۔

ہزاروں شکر، ھوالموجود تمامی عمر خواری، عرش کرسی لامکاں فراغت زیں طومار مکتوب، نگرسی شبستاں، دردام قدم از صدق دل بیرون

ان مصرعوں کو دیکھئے۔

ہوا بوس وکنار آخر میسر
زشعر وعلم ہر دوہست معذور
ولیکن ایں غریب اندر خطا ہے
ہزار ویک صد وچہل ثلث دیگر
لگا سن تیرہ از فضلِ الٰہی

فارسی ذخیرہ الفاظ نے مقامی زبان سے شیر ولشکر ہوکر مثنوی کے لطفِ بیان میں

اضافہ کیا ہے۔ قطبی نے فارسی قواعد کو خوب برتا ہے۔ خاص طور پر جمع بنانے میں ہندی الفاظ کو بھی اس ضابطے میں ڈھالا گیا ہے۔ جیسے باتاں، پھولاں وغیرہ۔

یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہے کہ اکرم قطبی نے فارسی اشعار کی کثرت استعمال سے مثنوی کو بوجھل نہیں بننے دیا ہے۔ حسبِ ضرورت موقع و محل کا لحاظ برتا ہے۔ جب کہ افضل نے بکٹ کہانی میں فارسی اشعار کو بڑی فیاضی سے استعمال کیا ہے۔ دونوں بارہ ماسوں کے اشعار کی تعداد ایک ہے۔ مگر افضل نے فارسی کے تیس سے زائد اشعار نقل کئے ہیں۔ شروع شروع میں ہی فارسی کے اکیس اشعار ہیں۔ جس سے اردو اشعار کی روانی مجروح ہوتی ہے۔ بعد کے دوسرے تمام شعراء نے اکرم قطبی کی پیروی کرتے ہوئے فارسی اشعار کی کثرت سے گریز کیا ہے اور کچھ نے تو سختی سے پرہیز کیا ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ بکٹ کہانی اکرم قطبی کے تیرہ ماسہ سے تقریباً ایک صدی پہلے کی تخلیق ہے۔ اس دور میں فارسی کا عمل دخل زیادہ تھا اور اردو کی تہی دامنی بھی استعمال کا سبب تھی۔ خسرو کی روایت بھی کارفرما تھی جس میں فارسی و اردو ساتھ ساتھ مستعمل تھے۔ اکرم قطبی تک آتے آتے اردو فارسی سے کافی حد تک بے نیاز ہو چکی تھی۔

کئی جہت سے اس مثنوی کی ناگزیر اہمیت ہے یہ تقریباً سوا تین سو سال قبل کی تصنیف ہے شمالی ہند میں گویا شعری آغاز کا یہ نقشِ اول ہے۔ اس کی سب سے زیادہ لسانی قدر و قیمت ہے۔ تاریخ لسان کا یہ ایک اہم دستاویز ہے اور تخلیق ادب کا سنگِ نشان بھی ہے۔ یہ اردو زبان کے عبوری دور کی دہلیز یا مرغِ قبلہ نما کی مانند ہے جو چند برسوں میں یا نصف صدی کے گزرتے ہی ہر طرح کے تخلیقی اظہار کی مجاز بن جاتا ہے جس سے میر و میرزا جیسے بلند قامت فن کاروں کو فروغِ نظر حاصل ہوتا ہے۔ اکرم قطبی کوئی بڑا تخلیق کار نہیں ہے۔ جسے ہم عہد آفریں کہہ سکیں مگر زبان و ادب کی لسانی اہمیت میں فراموش نہیں کر سکتے۔ ان کی

قدامت مسلم ہے۔ یہ قدیم سرمایہ ادب کی بیش قیمتی تخلیق ہے جس میں شعری اور تخلیقی ہنر مندی کے علاوہ لسانی ثقافت کے بعض پہلو توجہ طلب ہیں جو اس دور کے اسالیب کی روایت مرتب کرنے میں بڑے معاون ہیں۔ تیرہ ماسہ میں ذخیرۂ الفاظ کا ایک ایسا حصہ ہے جو اس دور کی عوامی ترسیل کا مظہر ہے، جیسے ستی، سیتی سوں، سیں، سیس، پیتم ریت پریت اَتیت، پیو، مکھ، پیا، اوس، نانو، درس، سکھی، بید، کارن، مانس، رین، ناگن جگ دارد، برج اور ہندی کے الفاظ بے تکلفی سے استعمال کئے گئے ہیں مج، تج، پینڈا، بچار، کن، کنھیں، انکھیاں، نیناں، ہارا، ارے، ری، اوجاڑا، اوٹھایا، سرنوں، درس، ملہم، گھام، چام، تڑپھوں، بھیتر۔ ان کے علاوہ علاقائی تلفظ عام ہے۔ جو دیہہ ودہقاں میں آج بھی مستعمل ہے جیسے لرجا، گسل، اندیسا وغیرہ۔ ایزاد کی مثالیں بھی ہیں۔ غلط املائی صورتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ شاید کاتب کی بھول ہو۔ سدا کو صدا، سوں کو صوں، ازاں کو عذاں لکھا جانا کاتب سے ہی منسوب کیا جاسکتا ہے۔

اس میں بولنے اور لکھنے کا فرق نمایاں ہے ش کے بجائے س ڑ کی جگہ ڈ دوچشمی ھ، یائے معروف ومجہول یا ک گ کی علامتوں کا فرق نہیں ملتا۔ نقطوں کا بھی کتابت میں خاص خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ کہیں کہیں قافیہ بھی نظر انداز کئے گئے ہیں۔ حرفوں کی املاتی صورتوں میں آزادی برتی گئی ہے زبر زیر میں کہیں کہیں امتیاز معدوم ہے۔ اور شعری ضرورت کے تحت استعمال کیا گیا ہے جسے اوس کیدھر ادھر، ایدھر، آونا، آون، ڈھونڈن، اونہاں لینہاں، دھولن، سجن، لو بھانا، مرن، جلاون، پیتاں، پٹھائی۔ باتاں، تیرتھ، اجھواں، بدھنا، رچی، اشنان، جیورا، کریجا، گھور، لوہو، تڑپھن، کارن، برہ، بانہہ، نانہہ، جانہہ، ٹھور، ٹھانو، بیلا، پسپاروں، بساون، بھاگ، بالم، ایتا، کیتا، یتا، جوالا، بسارو، کیتاں، برکھا، ات، ایتی، کیناں، کیتاں وغیرہ۔

بہت سے الفاظ ہیں جواب نامانوس اور متروک ہیں۔مگر قدیم دور میں یہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ مستعمل تھے۔وہ حسنِ تکلف کے غازہ سے بے نیاز اپنی سادگی اور فطری اظہار میں برملا ترسیل کا حصہ تھے۔قدماء کے نزدیک شعری آہنگ کی روانی میں یہ حائل بھی نہ تھے۔وہ حسبِ ضرورت انہیں ادا کرنے میں آزاد تھے۔جیسے دیکھایا کو بہ سہولت دکھایا اور دولارے کو دلارے پڑھتے۔وکی آواز کو حذف کر دیتے اور پیش سے کام لیتے۔اکثر حروف کو ایزاد کر لیتے دکان کو دوکاں پڑھتے جیسے:

دوکاں کدام است اونہاں سیں

تیرہ ماسہ کی لفظیات کا مطالعہ بے حد دل چسپ ہے اکثر حیرت ہوتی ہے کہ ان لفظوں کے علاقائی مصادر مختلف ہیں اور اکرم قبطی کی ان تک رسائی کا راز کیا ہے؟ ہم اس پر اکتفا کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یہ الفاظ شاعر کے گرد و نواح میں رائج رہے ہوں گے۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو مشرقی یوپی کے گاؤں دیہات میں آج بھی استعمالِ عام میں ہیں۔

قطبی کے مشرق کی طرف قیام کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔لفظوں کی وجہ سے بعض حضرات نے افضل کو پورب کا باشندہ سمجھ لیا۔کیوں کہ بکٹ کہانی میں بھی ایسے بہت سے الفاظ ہیں جو اودھ کے علاقے میں مستعمل ہیں۔یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس دور میں یہ لسانی فضا مشرق و مغرب میں ایک جیسی تھی۔لوگوں کا آنا جانا معمولِ زندگی بن گیا تھا۔ پدماوت کا شہرۂ عام اور مقبولیت بھی اس زبان کی توسیع کا سبب ہو سکتی ہے۔

ہندوستان ایک وسیع ملک ہے بلکہ ایک براعظم کی طرح ہے۔یہاں لسانی کثرت کے ساتھ مذاہب، ثقافت اور بود و باش میں حد درجہ اختلاف ہے قدرت نے بھی حسنِ اختلاف یا تضاد کی گوناگوں صورتیں بخشی ہیں۔مناظر، شجر حجر، ماہ و سال کے کوائف کے دوش

بدوش موسموں میں بھی طرح طرح کے موثرات ہیں۔ عام طور پر تین موسموں کو یاد کیا جاتا ہے۔ جاڑا، گرمی اور برسات، باریک بینوں نے اس تین کو چھ موسموں میں بھی تقسیم کیا ہے ۔ بسنت، گریشم، ورشا، شرد، ہیمنت اور ششر۔ شاعروں کی حسّیت اور نفسیات نے سال کے بارہ مہینوں کو الگ الگ کیفیت کا حامل قرار دیا ہے۔ اگر چہ یہ فرق بہت ہی معدوم اور غیر موزوں ہے۔ تقریباً تمام بارہ ماسے اساڑھ سے شروع ہوتے ہیں۔ ساون بھادوں بھی بارش کے ہی مہینے ہیں۔ اور ایک ہی مزاج کے مالک ہیں۔ مگر شعراء نے انہیں الگ الگ تاثرات کا علم بردار کہا ہے۔ حالاں کہ بارہ ماسوں کے متون میں ایک ہی تاثر ہوتا ہے کہ بارش ہے۔ گھنگور گھٹا چھائی ہے۔ مور، پپیہے، جھنگر، بادل کی کڑک، بجلی کی چمک، جھولے، سانوریاں سب لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر ہجرت کی ماری محبوبہ کا عاشق پردیس ہے۔ وہ تنہائی میں تڑپ رہی ہے۔ یہ عمومی تاثر ماگھ، پوس، پھاگن میں بھی ہے۔ لیکن ہر مہینے کا تذکرہ روایت کا معتبر روپ بن گیا ہے۔ اسی سبب بارہ مہینوں کی کیفیت الگ الگ محسوسات کی منظوم ترجمان ہے۔

اکرم قطبی نے بارہ ماسہ کی روایت میں ایک اجتہادی انفرادیت پیدا کی ہے۔ وہ تیرہ ماسہ لکھتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ بڑے بدنصیب ہیں کہ انہیں ہجرت کے تیرہ مہینوں تک ہم نشیں کے دیدار کے لئے ترسنا پڑا۔ کیوں کہ یہ سال لوند یا ملماس کا تھا۔ یعنی ہندی تقویم میں ہر تیسرے سال ایک ماہ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ دہلی کے نواح میں لوند اور مشرق میں لوگ مسلماس کہتے ہیں۔ قطبی کی شومئی تقدیر سے دو جیٹھ کی محرومیوں اور تاب وتپش سے گزرنا پڑا۔

مہینا تیرہ واں جب جیٹھ لا گا
مرا دوکھ لکھتے ہین اس مانس بھا گا

پریم قصہ ہوا آخر اے یارو
تیرہ مانسا ہے اس میں بچاور

بارہ ماسہ ہوے تھا اور سب کے
تیرہ مانسا ہوا جاکر قطب کے

بکٹ افسانہ ہے یہ تو مہیا
دونوں کا ناں دوی میانہ

اکرم قبطی کے اس منفرد روایت کی پیروی نہ ہوسکی۔ تیرہ ماسہ لکھ کر انہوں نے ایک امتیاز حاصل کیا۔

اس دور کے اظہار کے دوسرے اسالیب بھی اس مخطوطہ میں دستیاب ہیں جن کی مدد سے قبطی کی زبان، اسلوبِ نظر اور آہنگ پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔

فدا قبطی ایسے محبوب پر ہے
کہ مارے پھر جلاوے خوب تر ہے
برہ کا میں اچانک تیر کھایا
کریجا ہاتھ پکڑیں گھر کو آیا

دکھا کر یک جھمک ہنس کر سدھارا
مجھے ایسی ادا کر کر پچھارا

کوئی بولا کہ اس کو ناگ کھایا
کہیں اس کے بدن میں ڈنک لایا

تھکا اب ہار کر بیٹھا ہوں یک ٹھاؤں
نہ پایا شہر شہر و گانو در گانو

اچانک توپ کی جیوں رعد گرجا
کڑک اوس کی جوسن کرجیو لرجا

رام پور رضا لائبریری نے ۲۰۰۵ میں بارہ ماسہ نیہہ، شائع کیا۔ ۲۵۹/اشعار پر مشتمل مولوی حفظ اللہ قادری کی یہ مختصر تخلیق ہے۔ قادری مرحوم ہندی میں نیہہ تخلص کرتے تھے۔ اردو میں بندہ اور فارسی میں حفظ کا اہتمام کرتے رہے۔ ان کا ۱۸۶۰ء میں انتقال ہوا۔ ان کا بارہ ماسہ قطبی کے تیرہ ماسہ کی تخلیق کے بہت بعد لکھا گیا اور کئی اعتبار سے قطبی کے تیرہ ماسہ کا ہمسر نہیں ہے۔

عبوری دور میں زبان ولسان کی ناہمواری ایک فطری عمل ہے۔ مقامی بولیوں کے الفاظ رواں اظہار میں سنگِ راہ کی طرح حائل ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے اشعار کم نہیں ہیں جن میں تسلسل اور موجِ رواں کا احساس ہوتا ہے۔ اشعار دوسرے سے پیوست نظر آتے ہیں اور

قصے کے حسن کو باقی رکھتے ہیں۔ یہ منظر ملاحظہ ہو:

بوجھیں ہر ایک آکر کیا ہوا رے
کہیں تجھ پر کھنیں جادو کیا رے

کوئی بولا کہ اس کوں ناگ کھایا
کہیں اس کے بدن میں ڈنک لایا

کوئی بتلادے تھا چھایا ہوئی ہے
نظر ڈائن کی اس کوں لے گئی ہے

بولا ایک پریت کے دیکھے میں آیا
کنہیں نے کچھ کنہیں نے کچھ بتایا

نہ دکھے گھاونا کچھ درد پاؤں
کہ جس کوں پر مرہم کیا لگاؤں

ترے کارن برہ کس دیس جاؤں
طبیب اور بید کیدھر کے بولاؤں
کمانِ عشق ہر جاگہ کند تیر
سپر داری بنا کارِ تدبیر

ارے یہ تیر کاری جس کے لاگے
نہ جیوے نا مرے سودے نہ جاگے

وہی مارے وہی آخر جلاوے
وہی دارو دہے مرہم لگاوے

فدا قطبی ایسے محوب پر ہے
کہ مارے پھر جلاوے خوب تر ہے

ارے یارو ڈور شیطان سیتی
سنبھالو جھوٹ اور طوفان سیتی

نہ تھی کچھ بات چھوٹی نہ بڑھائی
اچانک آسماں لک کان لگائی

پریم قصہ ہوا آخر اے یارو
تیرہ مانسا ہے اس میں بچارو
برہ کارن تے میں سب عمر کھوئی
نہیں تو رہ سکے گا لال کوئی

ایسی حالت میں رت برسات آئی
کری تھی کیا بری میں نے کمائی

تمہارے حسن کا بازار لاگے
تماشے کوں تمامی خلق بھاگے

تیرے کارن برہ کس دیس جاؤں
طبیب اور بید کیدھر کے بولاؤں

بارہ ماسے کا خمیر حسن وعشق کے سوز وساز سے عبارت ہے۔ یہ موضوع انسانی حیات اور زیست کا نقشِ اول وآخر ہے۔ اس کی تعبیریں مجاز وحقیقت کے پیرایۂ بیان کو شیوۂ صد رنگ سے آشنا کرتی ہیں۔ ہم نشیں کے جمال وزیبائی سے قلب ونظر کو نور وسرور کی آگہی حاصل ہوتی ہے۔ محبوب کے جان وتن کا تذکرہ شعری جمالیات کا مرغوب موضوع رہا ہے۔ اکرم قطبی نے محبوب کے سراپا کو دشمن ایمان وآگہی نہ سہی مگر فطری حسن فروزی کا بشری مرقع ضرور پیش کیا ہے۔

ترے رنگوں میں رنگ کر ہو گیا ایک
تری صورت میں صورت کر لیا ایک
مجھے ان نین خونیں خوار کینا
پرائے ہاتھ مجھ کو بیچ دینا

مکر کر زلف اور نینا لو بھاویں
ادا کر کر پرایا گھر لوٹاویں
میٹھی دو بات کر کر چت چراویں
کماں اور بان کر پنچھی چراویں

ناز ولبری کے یہ فطری پیکر قطبی کے اضطرابِ قلب کی غمازی کرتے ہیں۔ عام مثنویوں کی طرح یہ بھی پریم کہانی ہے۔

شنوا اے دوستاں قصائے ہمن کا

سے بات شروع ہوتی ہے۔ وہ تیرتھ اشنان کو گئے تھے:

وہاں ایک سرو سیم اندام محبوب
نہ آوے وصف جس کے مکھ سیتی خوب

اس طرح داستانِ عشق شروع ہوتی ہے جسے جغرافیائی موسموں کے اثرات کے مطابق منظوم کیا گیا ہے۔ اس نظم کا مطالعہ ایک اور زاویہ سے بھی اہم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ لسانی اعتبار سے یہ عبوری دور ہے اور زبان کی تشکیل کا عمل جاری ہے۔ عربی و فارسی کی ثقافتی روایات بھی ہندی تہذیب کے ساتھ ہم آمیز ہو رہی ہیں۔ اس عہد کی پوری شاعری میں اس ارتباط کی مختلف صورتیں ملتی ہیں۔ دکن سے لے کر شمال تک یہ شعوری احساس موجود ہے۔ تیرہ ماسہ کی روایت کے تذکرے میں قطبی دلکشی کے ساتھ دونوں تہذیبی اقدار کو پیش کرتے ہیں:

زمانے کا کہوں کیا داؤ یارو
بھرا ہے ظلم سیں سر پاؤ یارو
طبیب اور بید کیدھر کے بلاؤں

بوجھوں ہر ایک سوں محبوب کی بات
پھروں مجنوں ہووے کے یوں دن رات

اسے قطبی کہ اکرم گر ہے مشہور
ز شعر و علم ہر دو ہست معذور

قطبی کے مزاج میں انکسار و عجز بھی ہے وہ اپنے کو معتبر یا بڑا فن کار نہیں سمجھتے نہ ہی تعلّی و تفاخر کا اظہار کرتے ہیں شعر و علم کی دقیقہ سنجی سے معذور کہکر اپنی فروتنی کا اعتراف بھی کرتے ہیں ۔ جب کہ صورتِ حال ایسی نہیں ہے ۔ وہ ایک مردِ باصفا اور صاحبِ کردار انسان کی طرح پیش آتے ہیں جس سے ان کی اقدار پسندی اور فکر و نظر کی صحت مندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مثنوی کے آخر میں حضور رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین سے عقیدت کے اشعار ان کی سلامتیِ دین و ایمان کے مظہر ہیں۔

تصدق ہو نبیؐ کے اور علیؓ کے
دگر اصحاب ہر چاروں ولی کے

اس طویل بیانیہ نظم کا ایک وصف اور بھی ہے کہ بیشتر بارہ ماسے حمد و نعت سے شروع ہوتے

ہیں ۔قطبی نے یہ اہتمام نہیں کیا بلکہ نظم کے آخر میں اظہارِ عقیدت کے لئے اشعار کہے ہیں ۔اس ضمن میں ایک دوسری بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی اقدار پسندی یا اخلاقی فکر وتدبر کا حاصل ان قدروں کی نگہبانی اور پاسِ احترام ہے۔

ارے لوگو تمامی جگ میں جوہا
مجھے باول پنے سیں تھا بچھوہا

مرا دلدار تھا میرے ہی گھر میں
بیٹھا ایک بات کے اوں ہی سنا تھا

ارے قطبی صبح کو ہوئے میلا
صبر کر ایک شب اور پھر اکیلا

خطا میری تمہیں سیں سب عطا ہے
ولیکن ایں غریب اندر خطا ہے

وہی مارے وہی آخر جلاوے
وہی دارو دہے مرہم لگاوے

اس تیرہ ماسہ کا اسلوبِ نگارش ایک امتیاز رکھتا ہے یہ عوامی لب و لہجے کی شاعری کا

بے مثال نمونہ ہے جس میں فن کے مختلف اور معتبر اسالیب جمع ہیں۔ ساتھ ہی شعر و نغمہ کے آہنگ بھی موجود ہیں۔ فن کے لوازمات شعری بھی بڑی دل کشی رکھتے ہیں۔ تشبیہات اور سادگی و پرکاری کے جا بجا نمونے بھی دستیاب ہیں جو اس دور کی زبان و بیان سے وابستہ تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پڑا دھرتی اوپر بے ہوش و بے تاب
لگا تڑپھن جیسے مچھلی بناں آب

نینوں سے یوں چھوٹے لوہو فوارے
گویا اڈی ندی ازہر کنارے

اچانک توپ کی جیوں رعد گرجا
کڑک اوس کی جوسن کر جیولرجا

ہوئے برسات میں ٹھنڈک کرتیجے
میرے سینے لگے آتش کے نیزے

اودھر رندنے نالے چلائے
اودھر انکھیاں نے جو دو دریا بہائے

ارے قطبی یہ درد کانجی کن رلائی
ہتھیلی بیچ یوں سرسوں جمائی

ایک دوسرا محاورہ بھی دعوتِ فکر دیتا ہے۔ نظم کے آخر میں دعائیہ اشارہ قطبی کی وسعتِ قلب ونظر اور پاکیزگی کی علامت بن کر رقم ہوتا ہے۔

قطب میرے کا جگ جگ راج رہیو
گنگا جمنا میں جب لک نیر بہیو

مختلف موسموں کی منظر کشی بھی بہت ہی فطری اور دل کشی سے بھرپور ہے۔ برشگال کا موسم بڑا قیامت خیز ہوتا ہے۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک سے دل دھڑکتا ہے اور تنہائی کا احساس جاں گسل ہوتا ہے اندھیری راتوں کا سناٹا اندوہ ناک ہی نہیں فراقِ یار میں سب سے زیادہ اضطراب کا سبب بن جاتا ہے۔ پھر دوشیزاؤں کا ملہار گانا ہنڈولے، جھولے بھی حسرتوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ ساون بھادوں زخم کاری کے مہینے ہیں۔ پیار یاں وصال کے راگ اور سبز لباس سے آراستہ ہوتی ہیں۔ سردی کا موسم بھی ہجرتوں کے رنج وغم کا فغان نیم شب بن کر نمودار ہوتا ہے۔ جو سوز وخلش بن کر بے خواب راتیں گزارنے پر مجبور کرتا ہے یہ تمام کیفیات شاعر کے مشاہدات کا مجموعہ بن کر رقم ہوتے ہیں۔ قطبی کے اشعار میں ان مشاہدات کی کمی نہیں ہے وہ ایک عام انسان کے سروکار کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

لگا سانوں مچائی بادروں نے شور
چھوائے بنگلے گھر گھر میں ہر ٹھور

ہندوستانی معاشرت کا یہ عمومی عمل ہے جو قلبِ شاعر میں بھی محفوظ ہے۔

پپیہا پیو پیو میرے پکارے
بنے میں مور اور تن میں جھنگارے

فن کار کوئی فطری اور حقیقی کیفیت کا ادراک ہے۔ایک لطیف فکری اظہار بھی دیکھئے۔

جو میں ہوتی نہیں یہ دکھ نہ ہوتا
ادا غمزے نہ دیکھتے تا نا روتا

ہر ہندوستانی جانتا ہے کہ برسات کے بعد پوری فضا دھل جاتی ہیں ۔ دھوپ کی تیزی اور تمازت کوار کے مہینے میں کھال کجھلسانے لگتی ہے۔قطبی کا مشاہدہ دیکھئے۔

کبھی برسے کبھی تیزی کرے گھام
مبر اوے مُزدکوں کے مانس اور چام

یعنی محنت کش مزدوروں کے بدن جھلسنے لگتے ہیں یہ مشاہدہ بھی دیہی اور عمومی زندگی کا حاصل ہے۔اس طرح کے ذاتی تجربات بھی اس نظم میں دیکھنے کو ملتے ہیں اور آج کی معاشرت میں اپنی معنویت کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ذرا اس واقعہ کو بھی خاطر نشیں کیجئے۔

دیوالی مچائی دھوم گھر گھر
بیٹیں سالونیاں اور کھیل بھر بھر

بنا تم کھیل میرے کیل لاگیں
دیوالی کے جو دیو اور بھوت بھاگیں

سدا چوپڑ جو کھیلوں تھے ترے سنگ
گہے بازی گہے چوپڑ گہے رنگ
کروں کیا بس نہیں چلتا ہے یارو
کریجا پور جیوں جلتا ہے یارو

قطبی ان خوبیوں کی وجہ سے معاصرین کی کہکشاں میں ایک قطب تارے کے مانند ہیں۔ جس کی مدھم روشنی ہماری نظر افروزی اور بینائی کے لئے سرمۂ نور اور کحل البصر سے کم نہیں ہے۔ متن، قرات اور قاری کے وسوں اور لاحاصل مباحث سے قطعِ نظر قدیم متون کے ہر شعر و سطر کی بازیافت تخلیقی تنزیل کا سی پارۂ ادب ہے۔

تیرہ ماسہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پتیم پریت کی ریت بدھنا رچی الست سیں
قالو بلیٰ اتیت کہہ چھوٹے تھے سب سیں

یوں ہی بنا بناو دہر سیں قطبی پیت کا
آچھا ہے اب داوویہ دیا مان چیت کا

شنو اے دوستاں قصائے ہمن کا
جو کیا بھاری ہوتا ہے دوکھ لگن کا

گیا تھا ایک دناں میں نہان کے تان
حُسن تیرتھ اوپر اشنان کے تان

وہاں یک سروسیم اندام محبوب
نہ آوے وصف جس کے مکھ سیتی خوب

دونوں اور سیں جو ناگن زلف چھوڑیں
دولائے کی عنبری کے سر پے اوڑھیں

دکھا کر یک چمک ہنس کر سدھارا
مجھے ایسی ادا کرکر پچھارا

نینوں کے کور سیں جیورا لیا چور
پرانے چل بسے باقی رہے گھور

برہ کا میں اچانک تیر کھایا
کریجا ہاتھ پکڑیں گھر کو آیا

پڑا دھرتی اوپر بے ہوش وبے تاب
لگا تڑپھن جیسیں مچھلی بنا آب

نینوں سے یوں چھوٹے لوہو فوارے
گویا اوڈی ندی از ہر کنارے

بھرے منہ میں جیسیں مست اونٹ کے جھاگ
ایسا کہوں موں جانو کھایا کہیں ناگ

بوجھیں ہر ایک آکر کیا ہوا رے
کہیں تجھ پر کھنیں جادو کیا رے

کوئی بولا کہ اس کوں ناگ کھایا
کہیں اس کے بدن میں ڈنک لایا

کوئی بتلا وے تھا چھایا ہوئی ہے
نظر ڈائن کی اس کوں لے گئی ہے

بولا ایک پریت کے دیکھے میں آیا
کنھیں نے کچھ کھنیں سے کچھ بتایا

نہ دکھے گھاو کچھ درد پاؤں
کہ جس کوں پر مرہم کیا لگاؤں

نہیں پائے پڑے ہوں کسی سیں
کہ تھک کر چور ہوا ہے سبی سیں

سیانے سب طرح کے دور رو ہارے
جنتر منتر سبوں اپنے چلائے

ترے کارن برہ کس دیس جاؤں
طبیب اور بید کیدھر کے بولاؤں

کمانِ عشق ہرجا گہ کند تیر
سپر داری بناں کارِ تدبیر

ارے یہ تیر کاری جس کے لاگے
نہ جیوے نامرے سو وے نہ جاگے

جنے مارا اوسی سیں ہوے پھر سار
نہیں کچھ کرسکے اوس کا جو اغیار

وہی مارے وہی آخر جلاوے
وہی دارو دہے مرہم لگاوے

فدا قطبی ایسے محبوب پر ہے
کہ مارے پھر جلاوے خوب تر ہے

رہا دن تین تک بیہوش وبے خود
آئی تھے جس کے پاچھیں سرت اوررسد

بیٹھا اوٹھ کر دیکھا احوال اپنا
تجاسب کوں چنا گوپال اپنا

برہ کی دون کر تیجے مانہہ لاگی
محبت غیر کی جیو دل سیں تیاگی

اب کوئی جو لالن کو ملادے
خدا کے واسطے یہ دون بجھا وے

کہیں دیکھا ہو تو بتلائے دیجو
زمیں کا جس برادر حال لیجو

کمر ہمت کی باندھی لال کے خیال
چلا ڈھونڈن کے ہے مانو بھونچال

بوجھوں ہرایک سوں محبوب کی بات
پھروں مجنوں ہوے کے یوں دن رات

کہاں تک کیا کہوں اس راز کی بات
نہیں آخر ہوا اس غم کا طومار

بڑی محنت سیں پایا میں نے دل دار
سینے ان کے ہوئے کانٹے سوں گلزار

چرن کو چونب کر آنکھوں لگاے
رتن اور گہرکو پھر دیکھ پاے

پاؤں سیں گر پکڑ کر مجھ اوٹھایا
محبت کر گلے اپنے لگایا

ہمن اوس کا رہن تک ٹھور پایا
جنم کا دکھ اونے یک پل میں کھویا

کھیلے ہم تو الفت کے کئی سال
مٹے شش پنج دل کے در ہمہ حال

ازاں پس ایں فلک مکار مکرے
اٹھایا طو طیا کرد آہ فکرے

میرا اوس کا رقیب اک ٹھور میں تھا
کرے تھا داو نس دن دور میں تھا

ہمن غافل کیے تھے کام کچھ اور
پایا جب داد اون پری نے اوس ٹھور

کہا محبوب سیں تو کیا بھولانا ۔
تئیں نے اوس کا فکر اب کچھ نہ جانا

او نے یک اور سیتی پریت جوڑی
تری الفت جو اپنے دل سیں توڑی

نہ مل کر بات دو کیتی پیارے
ارے ڈھونڈوں کہاں اب اس دوارے

ارے یارو ڈرو شیطانی سیتی
سنبھالو جھوٹ اور طوفان سیتی

نہ تھی کچھ بات جھوٹے نے بڈھائی
اچانک آسماں لک کاں لگائی

جو آئی اوس کی خاطر دوست کی بات
رہا جیو میں غصہ کر کے کیتی رات

پھروں ہوں بے سروپا جوہتا لال
جو کچھ بیتی ہے جانے لوں احوال

نپٹ مرے گا بدلاحق نے دینا
دھولن کی وصف بغایت جو کینا

تھکا اب ہار کر بیٹھا ہوں یک ٹھانو
نہ پایا شہر شہر وگانو در گانو

باندھا ہے جھونپڑا میداں میں کے بیچ
بیٹھا اوس کے تصور میں آنکھیں میچ

ایسی حالت میں رت برسات آئی
کری تھی کیا بری میں نے کمائی

سنو قطبی کا غم برسات ساری
ہوئی بارہ مہینوں کی بہتاری

آیا مانس اساڑھ فوج سنگاریں مہینہ کی
کیسی گھڑی سہات سدھ نہیں اپنے گریہہ کی

دھولا پھریں بدیس ہوں بیٹھا لاچار ہوں
کھولوں لٹ لٹ کیس قطبی آپا مارہوں

جھڑی دل بادلوں کی مانس اساڑھ
میرا جیورا لیا ان پر یوں نے کاڑھ

سبوں پہلیس آکر کوئل کوکائی
جو سوتے ساراں پرن جگائی

آئے پھر اندر راجا دے نقارا
پیا بن حال کیا ہوگا ہمارا

اچانک توپ کی جیوں رعد گرجا
کڑک اوس کی جو سن کر جیولرجا

اری یہ رت کہاں سیں نکس آئی
مجھے برہن کوں دونی آگ لگائی

ہووے برسات میں ٹھنڈک کر تجے
مرے سینے لگے آتش کے نیزے

اودھر سے رند نے نالے چلائے
ادھر انکھیاں نے دو دریا بہائے

اودھر اڈی گھٹا بادل چھوں اور
ایدھر باندھا مرے نینوں نے گھن گھور

عجب حالت ہوئی ہے پیو پیارے
کہوں کس کے جو آگیں میہہ تمہارے

ایدھر اساڑھ پری جھنڈ کے آیا
اودھر دھولن نے گھر پر دیس چھایا

کوئی جاکر کہے پیو سیں کہانی
مجھے ہیگی نہیں کچھ بات سیانی

جوگن دونی نے آکر دوت لایا
میرے تیرے بھیتر ٹونا چلایا

ارے یہ درد کانجی کن رلائی
ہتھیلی بیچ یوں سرسوں جمائی

نہ جانوں کس طرح اب ہوئے میلا
لگی تھی کس گھڑی اور کون بیلا

ارے قطبی کہاں تک ہوئے زاری
بنے ناہیں تمامی عمر خواری

جو بے پرواہ سیں یہ پیت لاگی
لگی ایسی لگن جو سب سیں تیاگی

سمجھتا ان سمجھ اب ہوگیا پیو
اندیشے میں چلا اب جات ہے جیو

کیا بیری لوگوں کا پیونے ہان
پہنا یا ہنس کر پیو نے گلے میں پھان

نہ آئے آپ نا پتیاں پٹھائی
نہ دو باتیں زبانی کہہ کہائی

ارے آخر ہوا آساڑھ سارا
ملا ناہیں اجھوں لک پیو پیارا

سانوں سورا مہینہ برسیں پانی ٹوٹ کر
ایدھر لیکن برہ کی تیغ خیما کیناں کوٹ کر

لاگی بوند پریم تھور تھور بہے بھیگ لے
کہاں گسل اور کھیم جب تب قطبی ایک لے

لگا سانون مچائی بادروں نے زور
چھوائے بنگلے گھر گھر میں ہر ٹھور

پپیہا پیو پیو میرے پو کارے
بنے میں مور اور تن میں جھنگارے

سبوں اس رت سرِت گھر کی جو لینی
ہمارے لال نے سدھ نانہہ لینی

اوروں کے بنگلے ہیں جن گلے بانہہ
دعا مانگوں پسپاروں حق سیتی بانہہ

الٰہی غنچۂ امید بکشای
گلے از روضۂ جاوید بنمای

"

کیسے ہووے آدے گھر کا بساون
سرن کا ہو میرا یہ مانس سانون

سبوں سنگ بیٹھے میں اور رنگ راچوں
ہنڈولے جھولوں اور سب کھیل ناچوں

ارے قطبی کہاں ایسے بنے بھاگ
کہ پیاری کے آدن کے گائیں راگ

آئے ساجن تے نے گھر سے گنوائی
تنک میں ان سمجھ بالم روٹھائی

نہیں کچھ دوس اس من موہنی کا
سلونی سانوری سب سوہنی کا

اونوں کرپا میا سیں کم نہ کینا
تجھے اپنے کری سیں لائے لینا

سبوں سیں تجھ اوپر ایتا کیا پیار
کہ بہتے آفرینش کے جوہے خار

ترے رنگوں میں رنگ کر ہوگیا ایک
تری صورت میں صورت کر لیا ایک

ارے غافل سمنجھ سب کھوٹ تیرا
نہیں کچھ دور وہ گل جوت تیرا

صرّفنا العمرفی لہو ولعب
ماہاثم آہا ثم آہا

ایسے سانوں منے بھانوں نہیں گھر
اڑوں اس دیس کوں لیکن نہیں پر

کیا سانون کو انکھیوں پر جوالا
کہ جن کا موہنہ کیا ہے دہر سیں کالا

جو میں ہوتی نہیں یہ دکھ نہ ہوتا
ادا غمز ے نہ دیکھتے تانا روتا

بڈھا سانون بچھیں یہ غیب سیں بوند
بپت سیں کہاں گئے ڈرتے مرے چوند

میں جانا تھا کہ دکھ کچھ کم رہے گا
نہ جانے تھا کہ یہ دونا رہے گا

زمانے کا کہوں کیا داؤ یارو
بھرا ہے ظلم سیں سرپاو یارو

کنہیں کاٹے اوپر لایا کہیں لون
دیکھو ان ظالموں نے کیا کیا گون

میرے زخموں کے اوپر لون لایا
سارے عالم کوں مجھ اوپر اوٹھایا

لوگوں کا ہنسنا اور میرا ہیا مرن
پڑوں بن پیوکس کے جائے کرسرن

ارے یتیم پیارے تم کہاں رے
سبوں کے بول تجھ بن ہم سہاں رے

کیا ہے یک طرف مجھ پر فلک زور
طرف دیگر اوٹھایا پریوں شور

ہمیں کینا ترے غم نے دیوانا
کوئی ایسا کرے ہے اے سیانا

محبت لائے کر پھر یوں بسارا
بَساکر سکھ نگر اب کیوں اوجاڑا

ترا ہے گھر تیرا ہے بار پیارے
میں ہوتا کون ہوں بیچ میں دلارے

تعزمن تشاء حکم کینا
تذل من تشاء لکھ جو دینا

نہیں جو خاک پاؤں کے ہوا تھا
تری الفت سیں میں مست ہوا تھا

تمہیں کرپا کری ہستی چڑھایا
تمہیں غمزوں سیتی مجھ کوں لوبھایا

ارے قطبی کرو کچھ فکر ایسا
کہ مٹ جاوے جنم کا دکھ اندیشا

چلو اب کے قطب کے پھیر چرنوں
جئیں جگوے سرور کے جو سرنوں

ترے محبوب کوں اب وہ بتادے
بتا کر پھر دونوں کو گل لگاوے

قطب محبوب کا قطبی دیوانا
رہے اوس کے درس بن جیون نہ مانا

قطب کے چرنوں پر بلہار قطبی
جاؤں میں جیوں سیں واری وار قطبی

بھادوں ہیا دو دادلین پرا کم چت کے
کبھی دلاوے تاو کبھی ڈالے سیت کے

قطبی رکھے امید جلتے کے ٹھنڈک کرے
ہے ایسا کوئی بید کاٹے پر ملہم کرے

لگا بھادوں کہیں جس کوں جو تلیا
میرا دکھ برہ نے کیتا ہے قلیا

کبھی برسے کبھی تیزی کرے گھام
مبراوے مزد کوں کے مانس اور چام

دھولن پردیس مجھ مردے کا کیا حال
پڑا تڑ پھوں جیسے مچھلی بھیتر جال

کوئی جاکر کہے من موہنی سیں
سلونی سانوری دل جوہنی سیں

کرے تھا بیٹھے کر جور قطبی
ترا ہر دم غلام اور چور قطبی

سڑاوَ نا نہہ مجھ مردے کا اس مانس
میرے آوگہ اپنے پیو تم پاس

ذکر از فاذکرونی پیار کینا
زنحنُ اَقربَم نزدیک لینا

ایسے پیارے کوں یوں نا نہیں بسارو
ایسی مدت جدائی سیں نہ مارو

کرم کر کر جو آوگے ہمارے
نہیں گھر جانہہ گے لکھن تمہارے

تمہارے حسن کا بازار لاگے
تماشے کو تمامی خلق بھاگے

کہ یہ آیا کہاں سیں صاحب ذات
ایتی غمزے ادا ایتی سگھڑبات

سورج شرمندا اور چندا ہو بندا
ترے بن جوت کل عالم ہے مندا

مرے گھر آوو دلھن کرم یارے
مجھے ناحق تومت اتنا جلارے

میرے جلنے میں تیرے ہاتھ کیارے
تیرے سوں مج ماں اب کچھ ناں رہارے

ارے کوئی اس سندیسے کوں لے جاوے
دھولن کیتاں سراسر کہہ سناوے

مورے پچھیں نہیں کچھ بات پیارے
جو کچھ اب ہے سو پھر کل کوں کہاں رے

گیا بھادوں یہ دوکھ ماں روتیں ہے
جنم کی یاں اکھارت کھودتیں ہے

آیا مانس اسوج دے دیا مان اندر جوں
آنگن چڑھے جوفوج نوشابن کر چندر جوں

گھٹ گیا برکھا مہینہ بڑھ گیا جور مہینہ کا
ہوئے مسافر مہینہ قطبی جاکو اور گریہہ کا

گیا بھادوں لگا اب مانس آسوج
چڑھائے اپنے بل کے ات بڑی فوج

اری ان فوج کیوں کینی چڑھائی
برہ کی جھونپڑی کوں آگ لگائی

چلن لاگی برہ کی بان کس کے
کمر ہمت کی میں باندھی ہے کس کے

اگر تلوار یا خود تیر آوے
ویا نیزا ویا جمدھر چلاوے

خدا کے سوں نہیں بھرنا ہے مجکوں
نہ یو دکھڑا سدا بھرنا ہے مجکوں

نہیں کچھ ڈر رہا نیڈر ہے ہوں
مرن سیں پہلیں میں تو مررہا ہوں

مجھے کوئی کیا ڈراوے موت سیتی
خوشی ہے جیو کوں ہر دم فوت سیتی

مرا مرنا میرے پیوکا ملن ہے
فراغت زیں پہ گھاد دکھ جلن ہے

بنا پیو کیا ہے جیوں کا سوادا
مروں تو پیو کوں دیکھوں شاد شادا

اری مرنا مرے جیو ہو نصیبے
میں تو مرنے کا ڈھونڈن ہوں طبیبے

طبیبِ عشق را دوکاں کدام است
علاجِ جان کند او را چہ نام است

ارے کوئی بید دارو موت کی دے
ایسی دارو جو پیو اپنی طرف لے

کہ جس دارو سیں قطبی فیض پاوے
سدا اوس شاہ کوں گل سیں لگاوے

ارے قطبی نہ کریو سوچ بھاری
قطب سے بید کی جب کھات داری

ایسے نباض نے پکڑی تیری بانہہ
کہ جس آگیں تو نو ناڈی کہاں جا نہہ

مرے دالی مجھے دارو بتاؤ
شتابی دوست کا مکھڑا دکھاؤ

یوں ہی جاہے یہ بیتی عمر یوں ہیں
درس ہو جیوتے اتی بید کیوں ہیں

کروں کیا فکر جو آسوج حالا
نہیں پیتم اجھوں کینا سنبھالا

یوں ہیں امید داری میں لگا مرن
کیا ہے عمر کا پٹا سوا قرن

جوسن اٹھتیس دہولن ملاؤ
گویا سو لاکھ بندی کوں چھڑاو

کاتک مانس سجان رت نیکی سب بات کوں
پانی پان کہاں سوں سکھ کات کوں

من موہن پردیس کت برمے رے قطبیا
یہ دکھ رہا ہمیشہ بہت ایسا تنہا جیا

عجائب رت جو کاتک نے دکھائی
نئی نئی حرص نئی نئی بات لائی

میری چھوری کو سکھ کی پرورش تھی
سدا بہبھانت کی اچھی خورش تھی

بناں دل دار اب کیسے جو بیتے
ہویں گے حاسدوں کے من کے چیتے

چلے بوندی فرما رتکے سر تکے
کہاں گئے اب میرے پریت سن کے

۱
کہ جس کوں چھیل کر بوندی جونساؤں
مجھے دیں میں انہوں کو ناں کھلاؤں

یوں ہیں جاہے چلی رت آہ صد آہ
دیکھو نت بات پر اوٹھے سوا راہ

جی ایسا ہو کہ ساجن آئے جاویں
مجھے نر بھاگ کوں گل سوں لگادیں

ارے لے پھر نہ سنیو کوک میری
پکارے ہے ترے بن دام میری

••

دیوالی مچائی دھوم گھر گھر
بٹیں سالونیاں اور کھیل بھر بھر

بناں تم کھیل میرے کیل لاگیں
دیوالی کی جو دیو اور بھوت بھاگیں

ارے خیالے میں چوپڑ کس سیں کھیلوں
اپنی بپتا کوں کسیں کر جو بیلوں

سدا چوپڑ جو کھیلوں تھے تیرے سنگ
گہے بازی گہے چو پڑ گہے رنگ

ترے جاے سیں میرا جگ جو پھوٹا
برہ نے نرد نردوں کے جو کوٹا

جدائی نے بازی کوں رد کینا
ہر اے کر مجکوں ایک گھونسے جو دینا

ارے قطبی بنا یہ کھیل کیسا
کھویا تیئں ہاتھ اپنے داو ویسا

تری بازی کوں کون ہے ساز یارب
گنوایا یار پیارا ہاتھ سیں جب

گئی بازی کوں بھولا ہے تھوڑی
ایسے توتے کوں نبی جی کوں جوڑی

گھڑی گزری نہیں تھی بن پیارے
مہینن منہ بپت میں یوں گزارے

کروں کیا بس نہیں چلتا ہے یارو
کریجا پور جیوں جلتا ہے یارو

سرتکا مانس کا تک کہاں گیارے
نقارا آن منگسر نے دیا رے

گلی برہن کی بان آیا سنکر منگسر
مکت ہیے پران رہا منگسر

قطبی کرو سمّان اپنے جی سیں لڑن کا
اَیک دن دھراندان انت سبھوں کے پرن کا

نئی رُت مانس منگسر نے نکالی
مل کے اوڑھیں رضائی اور نہالی

اچانک آن کر جاڑا جھمکا
میرے اوپر برہ کا بھیجا گتکا

بنا دھولن مجھے مشکل بنے گی
پڑوسن کون دکھ میرا سنے گی

اپن اپنے سویں گے کوٹھری مانہہ
کہواب ہم بھی جوکس کے کوٹھری جانہہ

بنے گی مجھ علی کے بیچ میدان
برہ اور مجھ بدا ہوئے گا مہمان

بنے کوں سوہنی کے جھوجائیں
کون رکھیا کوں تیرے کب بجھائیں

مرا جاوا تو پہلے ہی گیا ہے
میں بوری فکر کیوں ناحق کیا ہے

کھبوں یوں کون آئے کونج کشمیر
مری چھاتی اوٹھے ان دیکھ کر پیر

مری وہ کونج ہے ہے کس دیارے
کہاں کے کھیت پر ہوگا دلارے

ایہاں میں کونج کیچو گوری کو رلالو
نہیں ہے پنکھ جو اوس دیس جانو

تماشا ملک ملکوں کا جو دیکھو
ہے دن پرواز کے پرواز سیکھو

ترا تو عرش کرسی تک مکاں ہے
قدیمی کھونسلا اصلی اونہاں ہے

جو اصلی گھر کوں چھوڑا تب پڑا دکھ
بناں اوس گھر کہاں ات پائے سکھ

اونہاں ہے تم اونہاں ہے ہوے محبوب
لپیٹو دکھ کا اب طومار مکتوب

گنوائی سوچ اور غفلت میں اٹھتیس
پھنسا در دام آں شیطان ابلیس

پڑھو لاحول استغفار کیجئے
صدقِ دل سیں خدا کا نانو لیجے

ابارا جاسکا اونٹ لدے اسباب کے
برہ ستادے موہہ میں دن مدہ کباب کے

تھرتھر کنپے دیہہ جاڑا پڑے بچھوہ کا
ایسا لگا سینہہ بھول گئے دکھ لوہ کا

ارے اے پوہ دھولا دہو کیناں
کہنیں پیارا کہنیں نین موہ لیناں

ہووا غم سیں تیری نگری سبستاں
سبھوں سیں باہر روگن میں جو کیناں

جدائی نے بہوت کیناں مجھے خوار
ہوئی ہے چہار طرفوں سیں ماری مار

کہاں جاوں میں کس آگیں پوکاروں
لگن کی بات کا پردا اکھاڑوں

نہیں کچھ دوس پیو کا دوس میرا
کہاں جاے کر کروں تیرتھ کون پھیرا

مجھے ان نین خونیں خوار کیناں
پرائے ہاتھ مجھ کوں بیچ دیناں

لبھاکر مجکوں ہوجا اب پیارے
مرے جیو کوں لگادیں اب بلہارے

میں اپنے گھر میں بیری آپ پالی
جھنوں نیں عاشقوں کے گھر جو کھالی

گھونڈی ہوا ہے ہوں ان کی باہوں
پایات جو دکھ میں چل کر ان کے ساتھوں

مجھے پیو کے درس کا فکر ہے گا
دہولن گے آونے کا ذکر ہے گا

کیا ہے مجکوں ان آیت نے آگاہ
پڈھا لاتقنطو من رحمت اللہ

درس گر کرائے گی ان کی پہروں
نئی پھر پیت کاہو سیں نجوڑوں

پکڑ کون قناعت کا جو بیٹھوں
کانوں کوں چور کے زوری اینٹھوں

ارے قطبی نہ لجے لاج کھوئی
حیا غیرت کوں مطلق جیوں سیں دھوئی

رہے گا ماہ لجماانے سوادی
تجھے ہے عشق کا چسکا فسادی

مفت میں کون ہزاروں نیچ ہوے خوار
نہ لیجا ہوہنسارئے کون جو سنسار

برہ کارن تے نیں سب عمر کھوئی
نہیں تو رہ سکے گا لال کوئی

تری یہ خوی نہ پیچھے پڑی ہے
عشق کی توتری مورت کھڑی ہے

بر ہے عشق میں اینڈا ہے اینڈا
بنا مرنے نہیں چھوٹے گا پینڈا

لگا مہینا ماگھ میرا شاہ نہ آیا
نت اوٹھ دیکھوں راہ کھوج نا ہیں پائیا

کن پرچائے لال کت برمے خیالے پیا
میرا کون احوال مندر سوناں بن دیا

ارے یہ کس طرح کا ماہ آیا
میری چھاتی کے بھیتر داہ لایا

بنا اوس ماہ یہ کس کام کا ماہ
نہ دیکھین پاے ہے آہ صد آہ

ارے تو ماہ کس بادل میں آیا
کہ اتنی مدتوں میں بھی نہ پایا

کہاں کس دیس کے بروا بلاؤں
کہ اس بادل جدائی کی رواؤں

چکور اب مست دیوانے کا کیا حال
کیوں کر جیومیں بنا دیکھیں ترے لال

ارے وہ چند کیدھر چھپ گیارے
کہ جن کا دیکھناں دوبھر ہیا رے

کوئی بھیدی کہ جس کوں پیر ہوئے
عشق کا اوس کے جیو میں تیر ہوئے

کہیں ڈھونڈے خبر اوس کی لے آوے
مجھے دو بات اوس کی کہہ سناوے

پاؤں پڑ اوس کے واری وار جاؤں
پلک سیں جھاڑ کر آنکھوں لگاؤں

ارے ستمی مہر کر آو گھر رے
پھراوے مت مجھے تو در بدر رے

جوگن ہوکے پھروں گی دیس دیسا
ڈھونڈوں آکاس سیں تاناگ سیسا

ارے قطبی چلو دولھا کوں ڈھونڈن
نکٹ گنگا جمن کے ستی گوندھن

تیرتھ بر ہے تمھوں نے تیر کھایا
گرہ کا جینو کون پھان پہنایا

چلو اب پھر تیرتھ پر نہائیں
میلے ماں جی ملے کوئی لبھائیں

جہاں میلا وہاں میلا کبھی ہوئے
کھلاڑوں کھیل کا کھیلا کبھی ہوئے

بڑے شوقی کہلاڑوں سوں پڑا کام
نہ جانو کس طرح ہودے گا انجام

لگے جو شبہہ گھڑی ہوے تو سب خوب
بکہا سب بھول جا دیکھین سیں محبوب

چلن کی اب تمہن دل میں جوٹھانی
میرے تو جیومیں یوں ہی جوسانی

تکوں اب شبہہ گھڑی اور شبہہ مہورت
کہ دیکھوں جان جاناں کی میں صورت

پھاگن رنگ گلال لائے پھول بسنت کے
گھر نہیں متھرا لال یوں ہیں گے دن تنت کے

رنگین سبز اور زرد سب کا ہو کے چاؤ ہے
کس سیں کہئے داد میرے سینے گھاؤ ہے

کریجا پھونک نے پھاگن جو آیا
کوبریاں باوری نے نکھ دکھایا

رنگیلا گھر نہیں کس پر رنگوں رنگ
کھیلوں ہوری کہو اب کس کے پر سنگ

سمنجھ اے ڈھول منھ بولی سمنجھ رے
سیاناں ہو مت ہو ان سمنجھ رے

ارے نادان پھر یہ رت کہاں رے
ایسی رُت میں کھوئے ہے کہاں رے

ارے ملاح کھیوا پار کر رے
خدا کے واسطے آب اوگہر رے

اودھر معشوق دریا پار ہے رے
ایدھر عاشق پوکارے دور ہے رے

چڑھایا جی تین نے اب ناؤ پررے
اوہم میں مجھے مت خوار کر رے

پھاگن آیا کہ اٹھ طوفان آیا
پرے پلکوں تھا ان مطلق جلایا

جس نے ہوری جرائی یوں جرایا
نئے سر جیو کوں بپتا لگایا

برہ نے سب طرح کر خوار کیناں
دکھوں پر اور یہ تازا جو دیناں

ارے قطبی کہاں تک دکھ بھرے گا
کہاں تک انتظاری میں مرے گا

مرن اس انتظاری میں بھلا ہے
برس سارا یہ دکھ بھر میں پلا ہے

بناں ڈھونڈ ہیں نا آوے ہاتھ دلدار
نہ ہو اس انتظاری میں پڑا خوار

پیاسا پاس کوئے کی کیا جاہے
کودا پیاسے کی پانا ہیں آیا ہے

کمر ہمت کی کس کر باندھ بہائی
دلہن کوں لاو گھر تب ہو بھلائی

خلیل آسا در ملکِ ختن زن
نوائے لااحب الافلیں زن

تیرا جلنا ہووے گلزار پیارے
انگارے سب ہوویں پھلوار پیارے

چیتؔ مانس گلزار یار بناں سب جارہے
برچھا ہوگیا پار کون کرے اب سارہے

کون دیس ہے میت آے ان بتیاں لکھے
قطبی بھئی اتیت گھایل کہوں میں اب دکھے

لگائی چیت نے ات جیو کو چنتا
اجھوں تک ہے نہیں آئے ہیں منتا

درختوں پر نئی سر شاخ پھوٹی
بہو تا حال تب صبر سیں نہ چھوٹی

مجھی میں ڈھونڈ کر پایا ہے ان چور
غریب اوپر دیکھو تہاوا کرے زور

زلیخا وار بہتا خوار کیناں
مرے یوسف نے کیسا وار کیناں

انہوں سپنے میں ایتا نیہہ لایا
مرے دلدار کو دولہے لوبھایا

اچنبھے کا نیا یہ نیہہ لاگا
کہ جس کو سن کے حاتم عشق تیاگا

ہووے معشوق کی کیا بے وفا ذات
پرایا من جلاکر نانہہ بوجھے بات

مکر کر زلف اور نیناں کو لوبھاویں
ادا کرکر پرایا گھر لوٹاویں

میٹھی دو بات کر کر چت چراویں
کماں اور بان کر پنچھی چراویں

بللے باورے یوں ذات عاشق
ہوئی منظور ناہیں بات عاشق

کہیں ہر ایک اس کوں باورا رے
مرن کوں آہ بھولا باورا رے

ارے قطبی ہجو دلبر کی مت کر
عاشق کی بپت کی تو صفت کر

بپت عاشق کی کوئی معشوق جانے
وہی آخر جی بھولے تو پہچانے

قدم از صدقِ دل بیروں منہ رے
وہ تو ہے پاک تو لائق گنہ رے

منا کر لاؤ اوس کو ڈھونڈ کر جگ
پکڑ رہ اوس کی ساری عمر تک پگ

کہیں معشوق غصے کر نپایا
جھنے پایا پر عاجز ہوکے پایا

آئے گئی بیساکھ سن چوبیس پاکھ ہیں
جربر ہوگئی راکھ میری نہا دیں لاکھ ہیں

ہولی بارہ مانس انہوں نہ ظالم باہورے
دیہہ رہا نہ مانس پیو کی ہوئے نسارے

بوری بیساکھ من موہن کہاں رے
گئے ہیں کیا و کوئی برلامکاں رے

ارے برلامکاں ہوکے تو گیا ہے
مجھے اوس میں ہے جانا پتا ہے

کروں کیا میں دیکھے کلہکوں جو مرجانو
نہ ہو دو جگ میں پھر مج کوں نہیں ٹھانو

حسین یوسف کے بود مہیا ہو خریدار
ہوئے مشہور اتی کی لئیں نار

خریداروں میں اون نے نانو پایا
میں تو عاشق ہوئے کر آپا جلایا

زلیخا کی طرح بوری کہائی
ہوا مجنوں تب لیلیٰ جو پائی

چلو اب چلو ڈھونڈیں دولارا
بنا ڈھونڈیں نہ پائے ہے پیارا

اگر السعی منّی خواندۂ تو
زمحنت پس چرا در ماندۂ تو

کرو تم نحن واقرب کوں صحیح ری
وہی ہے سب جگہ حاضر وہی ری

ارے لوگو تمامی جگ میں جوہا
مجھے باول پنے سیں تھا بچھوہا

مرا دلدار تھا میرے ہی گھر میں
بیٹھا ایک بات کے اولھے تھا پنہاں

میرا وہ عشق کا یورا جی لیتا
صریح جان کر بتّا جو ہویتا

جو کٹیا میں پھر قطب کے پاس دوڑا
کہ جن کا ہے وطن حضرت سا دھوڑا

ابو صالح قطب کے تیسرے پوت
قمیص اعظم جی کی اولاد اور ہوت

مجھے اونہوں مجھے میرے گھر میں بتایا
اونہاں سیں میں گھروں کوں ہیرایا

ہوا بیساکھ آخر آوتے گھر
اگرچہ اوڈ چلا تھا لائے کر پر

ارے قطبی صبح کوں ہوئے میلا
صبر کر ایک شب اور پھر اکیلا

ایسے جیٹھ آیا جیٹھ سو لچھناں
تونے دکھ کے پنڈ پایا درس دچھناں

قطبی ترے نصیب دھولا گھر میں پائیا
قطب الدین حبیب جن سیں منگل گائیا

مہینا تیرہ واں جب جیٹھ لاگا
میرا دوکھ لکھتے ہیں اس مانس بھاگا

سادھوڑے سیں جو پہنچا گھر کے ماہیں
گیا اندر محل کے سیج تایں

بیٹھا دیکھا پلنگ اوپر جو دلدار
سینے مان کے کھلے گل گل سہے خار

چرن کوں چونبہ کر آنکھوں لگائے
ترس اور ترک تر پھر دیکھ پائے

پاؤں میں گر کے بہتا کوک رویا
ایسا رویا کہ سب پاؤں کوں دھویا

مہر کر جان جاناں نے اوٹھایا
پکڑ کر ہاتھ اپنے گل لگایا

لگا تب کل جنم کے بسرے دکھ
وہی دکھ ہوگئے ملتے ہیں سب سکھ

کھلے..... کے میانے
پائے جب دوست اپنے کے نشانے

بیٹھے مل کر دونوں یک پلنگ پر
ہوئے رل ملکر دونوں ایک رنگ

ہوا بوس وکنار آخر میسر
ہزاراں شکر ہے اوس دن کے اوپر

ارے قطبی قطب کے ہوہے قرباں
کہ جن دکھلایا تجکوں جانِ جاناں

اوسی کے لطف سیں کشتی ہوئی پار
نہیں تو نے رکھا بیچ منجدھار

تصدق ہو نبیؐ کے اور علیؓ کے
دگر اصحاب ہر چاروں ولی کے

کہ جن کے پشت سیں محبوبِ سبحان
ہوئے پیدا خلاصہ جان انسان

انہو سیں پہنچا زنجیرا قطب لک
تفاوت ناہ ہووے اس میں ایک دو رکب

پریم قصا ہوا آخر اے یارو
تیرہ مانسا ہے اس میں بچارو

بارہ مانسا ہوے تھا اور سب کے
تیرہ مانسا ہوا جاکر قطب کے

بکٹ افسانہ ہے یہ تو مہیا
دونوں کا ناں دوی میانا

اسے افضل کہ جس کا نانو گوپال
کہا ہے نارنو لے صاحب حال

ایسے قطبی کہ اکرم گر ہے مشہور
زشعر وعلم ہر دوہست معذور

کیا ہے عشق میں دیوانگی سیں
مجازی کے بناں فرزانگی سیں

کہا ہے یہ جو سب غصا نکرتوں
قلم بخشش کے کان حرفوں پر دھرتوں

خطامیری تمہیں سب سیں عطا ہے
ولیکن ایں غریب اندر خطا ہے

بنی اسرائیل است ایں شیخ زادہ
رہے رہتک شہر از بس کہ سادہ

ہزار ویک صد چہل وثلث دیگر
جو تھا تب سن ہجری مشکِ اذفر

محمد شاہ کی ہے بادشاہی
لگا سنہ تیرہ از فضلِ الٰہی

قطب میرے کا جُگ جُگ راج رہیو
گنگا جمنا میں جب لک نیر بہیو

ھوالموجود فطلبنی تجدنی

وان تطلبنی سوائی لم تجدنی [1]

ھوالاول ھوالاخر ھواللہ

ھوالظاہر ھوالباطن ھواللہ [2]

قطبی پہنچے ہو رہے کھویا سب بھٹکاؤ

برہ سمندر اوترے بیٹھ قطب کے ناؤ

☆☆☆

---

[1] وہ ہر جگہ موجود ہے۔ پس مجھے طلب کرو مجھے پالو گے۔ میرے سوا کسی اور کو طلب کرو گے تو مجھے نہیں پا سکو گے۔

[2] اللہ ہی اوّل ہے اور آخر بھی۔ وہی ظاہر ہے اور پوشیدہ بھی۔

فرهنگ

فرہنگ

اُبارا۔ ہلکا، بے وزن

آپا۔ اپنی ذات، اصلیت، اپنا وقار

آتشیں۔ آگ، جلن

آگیں۔ آگے، سامنے

آون۔ آنا، آمد

اَتیت۔ قدیم، روزِ ازل

اجھوں۔ اب تک، اب بھی

اَدھم۔ منجدھار، کشمکش

ازاں پس۔ اس کے بعد

اَس۔ اس طرح، ایسا

اَلسعی۔ محنت کرنا، مشقت کرنا

اسوج۔ کنوار کا مہینہ

اشنان۔ نہان، غسل

اصحاب۔ اسلام کے چاروں خلیفہ

اغیار۔ دشمن، حریف، رقیب

اکھارت۔ اکھاڑا

آکاس۔ آسمان، فلک

آگیں۔آگے،سامنے

اَلست۔کیامیں نہیں ہوں؟

اَنت۔آخر،فنا،انجام

اندام۔بدن،جسم

ان سمجھ۔نادان،ناسمجھ

اور۔طرف،جانب،کنارہ

اونہاں۔وہاں

اونے۔اس نے،انہوں نے

اورا۔اس کا

اوہی۔وہی،وہ ہی

آہا۔افسوس،تکلیف،درد

ایتا۔اتنا،اتنازیادہ

ایتی۔بہت زیادہ

ایں۔اس،یہ

اینڈا۔اندھا،نابینا

بادیر۔بادل،ابر

بازی۔کھیل،تماشا

بالم۔دوست،شوہر

بان۔تیر

بانہہ۔بازو، ہاتھ

باوری۔پاگل، دیوانی

بتّا۔خاموش، چپ چاپ

بھاگ۔قسمت، تقدیر

بہتاری۔کثیر، زیادہ

بچارو۔غور کرو، سوچو

بچھوہی۔دوری، فراق، درد

بدا۔رخصت، وداع

بدھنا۔مالک، خالق

برے۔گھومے، چکر لگائے

بروا۔دوست، محبوب، بھائی

بِرہ۔ہجر، فراق

بِسارو۔بھلادو، فراموش کرو

بَساون۔مالک، باشندہ، دوست

بَغایت۔بے حد، حد تک

بکھا۔تعریف، تحسین

بکشا۔کھلنا، کھلائے

بلھار۔واری،قربان،نثار

بلّے۔لاپرواہ،گمراہ

بنا۔بغیر

بندا۔غلام،نوکر

بندی۔غلام،قیدی

بنمای۔ظاہر،پیدا ہو

بوجھیں۔سمجھے،معلوم کریں،دریافت کریں

بیھانت۔طرح طرح کی،قسم قسم کی

بَہتا۔بہت،زیادہ

بید۔حکیم،معالج

بَیری۔دشمن،بدخواہ

بیلا۔وقت،پہر

پھان۔پھندا،رسی

پتیاں۔چھٹی،خط

پاچھیں۔پیچھے،بعد میں

پرائے۔غیر،دوسرے

پَساروں۔پھیلاؤں،بڑھاؤں

پٹھائی۔بھیجی،پڑھائی

پچھاڑا۔ ہرایا، شکست دی، مات دی

پران۔ جان، زندگی

پرن۔ جان، وعدہ

پگ۔ قدم، راستہ

پھلوار۔ چمن، باغ

پنچھی۔ پرندہ، چڑیا

پُوت۔ اولاد، لڑکا

پوہ۔ پوس کا مہینہ

پھیر۔ پھر، دوبارہ

پیت۔ محبت، عشق

پیر۔ درد، تکلیف

پیتم۔ دوست، محبوب

پینڈا۔ راستہ، پگڈنڈی

تان۔ جگہ، مقام

تَجا۔ ترک کیا، چھوڑا

تدبیر۔ حکمت، غور وفکر

تُذِلُّ مَنْ تَشَاء۔ جس کو چاہے ذلیل کرے

تصدق۔ قربان، نثار

تفاوت۔فرق

تمہن۔تم،تم ہی

تُعِزُّمَنْ تَشَاء ۔عزت دیوے جس کو چاہے

تونو۔تمہاری

تھاوا۔حملہ،دھاوا

تیاگی۔ترک کرنا،چھوڑ دینا

تیرتھ۔زیارت،مقدس مقام

تیغ۔تلوار،اسلحہ،تلوار سے چھوٹا

تَین۔تم،تم نے

تُلث۔تہائی،تیسرا،تین

تُھم۔اس کے بعد،بعدازاں،متعلق

ٹھانو۔جگہ،مقام

ٹھور۔جگہ،مقام

جات۔جارہا،رخصت ہونا

جار۔آگ،تپش،بخار

جان جاناں۔دوست،محبوب

جانہہ۔جانا،جائے

جاوا۔دوست،محبوب

جاوید۔ ہمیشہ، دائمی

جتن۔ تدبیر، کوشش، علاج

جرائے۔ جلائے

جَس۔ تعریف، نیکی

جگ۔ دنیا

جُگ جُگ۔ صدیوں، سینکڑوں سال

جنتر منتر۔ ٹونا، ٹوٹکا، ترکیب، تعویذ

جھنگارے۔ جھینگر

جنیو۔ زنّار، گلے میں لٹکانے والا تاگا

جوالا۔ چمک، آگ، تپش

جوہا۔ انتظار کیا۔

جوت۔ روشنی، نور، چمک

جوسانی۔ جوش کا پیدا ہونا

جوگی۔ سادھو، فقیر، سنت

جیورا۔ زندگی، جان

چام۔ چمڑا، چرم

چھایا۔ آسیب، سایہ

چرا۔ کیوں، کیونکر

چرن۔پاؤں

چنتا۔فکر،خیال

چکوئے۔چکھیں،مزہ لیں

چند۔چاند

چہ نام است۔کیا نام ہے؟

چھوری۔دوشیزہ،کنواری

چہار۔چاروں،ہر طرف سے

چہل۔چالیس

چیت۔سمجھ،شعور،ہوشیاری

چھیک۔روک

حرص۔لالچ،خواہش

خار۔کانٹا

خلیل آسا۔حضرت ابراہیمؑ کی طرح

خوار۔ذلیل،رسوا

خواندہ۔پڑھا،لکھا

خونیں۔خوں خوار،خون کا پیاسا

خورش۔غذا،خوراک

دارو۔نشہ،شراب،دوا

دام۔جال،فریب،سانس

داؤ۔ترکیب،حکمت،بہانہ

داہ۔آگ،جلن

درس۔ملاقات،وصال،

درماندہ۔پریشان،تھکاہارا

دِناں۔دن،یوم،روز

دوارے۔دروازے،جگہ

دوبھر۔مشکل،پریشان

دوتی۔جادوگرنی،ٹونا کرنے والی

دوس۔قصور،غلطی

دکھ۔تکلیف،رنج وغم

دون۔آگ،آتش،جلن

دھرتی۔زمین،خاک

دہر۔زمانہ،دنیا

دھولا۔شوہر،دوست،نوشہ

دیارے۔جگہ،مقام

دیس دیسا۔ملک درملک،ہرجگہ

دیہہ۔جسم،بدن،گاؤں

راچوں۔سنواروں، بناؤں

راز۔بھید، پوشیدہ

رُت۔موسم

رتن۔بیش قیمتی پتھر، دوست

رچی۔بنائی، پیدا کی

رقیب۔دشمن، حاسد

رعد۔بجلی کی کڑک، خوف

رَکب۔قدم، معمولی فاصلہ

رِند۔شرابی، مے خوار

رہن۔رہائش، گھر

روضہ۔خاک، قبر، جگہ

رُواوں۔رلاؤں

روگن۔آزار، بیماری

ریت۔رسم، رواج

زنجیرا۔شجرہ، سلسلہ

زاری۔رونا دھونا

ساجن۔دوست، محبوب

سار۔تعلق، دوستی، محبت

سپر۔تلوار،اسلحہ

سُدھ۔ہوش وحواس،یادداشت،خیال،فکر

سِدھارا۔رخصت ہوا،چلا گیا

سُرت۔سننا،خبر،خیال،توجہ

سرپاؤ۔سر سے پاؤں تک،سراپا

سُرن۔خوشی،نغمہ

سَرنوں۔پناہ،آغوش،سرپرستی

سرو۔خوب صورت لمبا درخت

سمّان۔عزت،وقار،احترام

سندیسہ۔پیغام،خبر

سریجن۔دوست،خالق

سنسار۔دنیا

سنگ۔ساتھ،رفاقت

سوادا۔سودا،لین دین،ذائقہ

سہات۔بھلا،اچھا،خوش گوار

سُہے۔بھلا لگے،خوبصورت لگے

سِیانے۔جانکار،عالم،ہوشیار

سیتی۔سے

سیسا۔سر،

سیم۔چاندی،سفید

شادشادا۔خوش خوش،مبارک

شب۔رات،اندھیرا

شبھ۔مبارک،اچھا

شتابی۔جلد،ابھی

شش پنج۔کشمکش،اندیشہ

شنو۔سنو،دھیان دو،غور کرو

صد۔سو

صدق دل سیں۔سچے دل سے،دل کی گہرائی سے

صَرَّفْنَاالعُمُر فِی لَہوولَعِب۔کھیل تماشے میں عمر ضائع کرنا

صفت۔تعریف،اچھائی

طومار۔طویل،لمبا،سلسلہ

عنبر۔خوشبودار چیز

غنچہ۔کلی،پھول

غیب۔پردہ،پوشیدہ،غیر موجود

فدا۔قربان،نثار

فرزانگی۔عقل مندی،ہوشیار

فضل الٰہی۔اللہ کا کرم

فلک۔آسمان

فَلَمَّا اَفلَ۔پھر جب وہ غائب ہوگیا

قَالَ لَا یُحِبُ الاٰفِلِین۔تو بولا میں پسند نہیں کرتا غائب ہونے والوں کو

قصائے۔کہانی،داستان

قَالُوا بلٰی۔بولے ہاں ہے۔

قَرن۔مدت،دس سال

قَلیا۔گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا

کاج۔کام

کِت۔کہاں کہاں

کدام۔کہاں،کس جگہ

کار۔کام،عمل

کارن۔وجہ،سبب

کاری۔جان لیوا،خطرناک

کاڑھ۔نکالنا،نچوڑنا

کھات داری۔دوستی،شرکت

کند۔کرتا ہے

کریجا۔کلیجہ

کوا۔کنواں

کوٹ۔قلعہ،محفوظ جگہ

کور۔کنارا،گوشہ

کونج۔خوش آواز پرندہ

کلہکوں۔مصیبتیں،تکلیفیں

کُن۔کرو،ہو

کِنھیں۔کسی

کوک رویا۔بہت رویا

کیتا۔کیا ہے

کیتاں۔ان کو،ان تک

کیس۔بال،گیسو

گتکا۔لاٹھی،ڈنڈا،اسلحہ

گوپال۔دوست،محبوب

گہ۔کبھی،کسی وقت

گھام۔تیز دھوپ

گریہہ۔گھر،مکان

گسل۔غسل،نہان

گل۔گلے

گلال۔لال رنگ کا پاوڈر

گوں۔کام،ضرورت

گہر۔موتی

گھور۔غور سے دیکھا، بے کار، ملبہ

لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَتِ اللہ۔مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے

لجے۔لاج،شرمندگی

لگ۔تک

لاگا۔لگنا، ہونا

لال۔دوست، پیارا

لالن۔محبوب، دوست

لامکاں۔عرش، آسمان

لچھناں۔نشان، علامت، الزام

لرجا۔لرزہ، کانپنا

لکھن۔دوست، محبوب، عاشق

لگن۔محبت، عشق

لون۔نمک

لوہو۔لہو، خون

لینا۔لے لیا، بس میں کر لیا

ما۔ہمیں، مجھے

مات۔عقل، ہوش

ماری مار۔ہنگامہ، شوروغل، مار پیٹ

ماس۔گوشت، کھال

ماں۔میں

مانس۔ماہ، مہینہ

مانہہ۔میں، اندر

مہر۔مہربانی، کرم

مبراوے۔سڑاوے، گلاوے

متھرالال۔سری کرشن (گوپال)

مجازی۔غیر حقیقی، دنیاوی، دکھاوا

مرن۔موت، انجام

مشک اذفر۔بہت تیز خوشبو والا مشک

مکار۔فریبی، دھوکا دینے والا

مکلت۔نجات، فرصت

مکتوب۔خط، چھٹی

مکرے۔انکار کردے، دھوکا دے

مکھ۔منہ، صورت، شکل، زبان

مکھڑا۔صورت، چہرہ

مَتا۔دوست، محبوب

منگسر۔اگہن کا مہینہ

منگل۔خوشی، مسرت

مگھا۔بادل، ابر

مو۔مجھے، ہم

موہ۔محبت، بس میں کرنا

مورت، شکل صورت

مہورت۔مبارک گھڑی

میانا۔درمیان، بیچ میں

مِیت۔دوست، محبوب

میج۔رگڑنا، بند کرنا

میلا۔ملاقات، وصل

نانہہ۔نہیں

ناڑی۔نبض، نس، رگ

ناگ۔سانپ

ناگن۔زہریلا سانپ

ناں۔نہیں، انکار

نباض۔حکیم،نبض دیکھنے والا

نپٹ۔یقینی،بالکل

نَحْنُ اَقْرَب۔ہم اس کے نزدیک ہیں

ندان۔مطلق،بالکل

نربھاگ۔بدقسمت،محروم

نردنردوں۔نس نس،رگ رگ

نِس۔روز،ہردن

نِکس۔نکلنا،نمودار ہونا

نگری۔شہر،بستی

نہالی۔دلائی،چادر

نہاں۔پوشیدہ،چھپا ہوا

نیر۔پانی،آب،آنسو

نیزہ۔اسلحہ،تیز دھار بڑا چاقو

نینوں۔آنکھوں،نگاہوں

نیہہ۔محبت،پیار،عشق

وار۔طرح،جیسا

واری۔قربان،نثار

واری وار۔جی جان سے قربان

وصف۔خوبی، اچھائی، تعریف

والی۔مالک، مولا

وصل۔خوبی، حسن

ہان۔نقصان، بے عزتی

ہتھیلی پر سرسوں جمانا۔ناممکن کام کو انجام دینا

ہجو۔برائی، ملامت

ہمن۔ہمارا، اپنا

ہوری۔ہولی

ہُویتا۔ہوتا

ہیر۔تلاش، ڈھونڈنا

تعلیقات

تعلیقات

محمد افضل

محمد افضل کی بکٹ کہانی شمالی ہند کی مکمل شاعری کا حرفِ آغاز ہے اس کی دریافت اور اشاعت نے ادبی تاریخ میں سو سال کا اضافہ کیا ہے۔ امیر خسرو کا ہندوی کلام اب بھی تشکیک و تعین کے لئے موضوعِ بحث ہے۔ یوں بھی وہ مجتمع اور مکمل کلام نہیں ہے۔ ۱۰۳۵ھ بمطابق ۱۶۲۵ء میں افضل کا انتقال ہوا گویا یہ کتاب عہدِ جہانگیر میں لکھی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے زمانے کی بہت مقبول کتاب ہے۔ مگر اس عہد کا کوئی خطی نسخہ برآمد نہیں ہوسکا ہے سو سال بعد کا رقم کردہ مسودہ حیدرآباد میں ادارہ ادبیات کے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس کی کتابت ۱۲۴۰ھ میں ہوئی ہے۔ دوسرا نسخہ ۱۲۴۵ھ میں قلم بند کیا گیا یہ انڈیا آفس لندن میں محفوظ ہے۔ اس طرح اس کے قلمی نسخے بہت بعد کی کتابت شدہ یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی نسخوں کی مدد سے پروفیسر نورالحسن ہاشمی اور پروفیسر مسعود حسین خاں نے بکٹ کہانی کو مرتب کیا ہے۔ محمد افضل کے مولد و مسکن کے سلسلے میں کئی روایتیں دہرائی جاتی رہی ہیں لیکن اکرم قطبی کے تیرہ ماسے نے ان قیاسات کو خیالِ بے بنیاد قرار دیا اور محمد افضل کو نارنول (ہریانہ) کا باشندہ بتایا انہوں نے گوپال تخلص کی بھی تصدیق کی ہے۔

یہ ایک پریم کہانی ہے جو مثنوی کی صورت میں پیش کی گئی۔ اسلوب و آہنگ میں ہندی کے بارہ ماسے کے طرز کی پیروی کی گئی ہے مثنوی میں یہاں کے جغرافیائی اور بود و باش کے مختلف احوال بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر مختلف موسموں کے زیرِ اثر پیدا ہونے والے انسانی جذب و احساس کے گوناگوں کوائف کا عشقیہ اظہار بارہ ماسوں کا نفس موضوع

ہے۔ یہ موضوع بھی ہجرت زدہ دوشیزہ کے اضطرابِ عشق کے دردوسوز پر موقوف ہے۔ دوسرے عنوانات ضمنی اور ذیلی ہیں جو زیبِ داستاں کے لئے شامل ہوئے ہیں۔ بارہ ماسے اشرافیہ یا شہری معاشرت کے برعکس دیہہ ودہقاں کے اسلوبِ زندگی سے وابستہ مردوزن کے معاشرے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ عورت کے عمومی جذبے کا اظہار شہر وگاؤں کے امتیاز سے ماوراء ہوتا ہے۔ عوامی زبان اور لب ولہجہ اسے دیہات یا قصباتی زندگی کا اظہار بنا دیتا ہے ورنہ کرۂ ارض کے انسانوں کے جذبات یا محسوسات فطری طور پر قریب قریب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس میں خواندہ ناخواندہ یا شہر وثقافت کا فرق معدوم ہوتا ہے۔

کئی تذکروں میں بکٹ کہانی کے حوالے ملتے ہیں لیکن اکرم قطبی کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ فارسی تذکرہ نگار علی قلی خاں نے ریاض الشعراء میں محمد افضل کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور ان کی زندگی کے بعض پہلوؤں پر اشارہ کیا ہے۔ یہی تذکرہ کئی تذکرہ نگاروں کے لئے حوالہ بنتا ہے یہ ۱۷۴۷ء میں لکھا گیا اس میں افضل کی حیاتِ معاشقہ کا بھی ذکر ہے جس کی صحت پر بہت سے شبہات ہیں مگر علی قلی خاں والہ داغستانی کی روایت خوب دہرائی گئی۔ بکٹ کہانی کو اپنے دور کی سب سے مقبول کتاب کا درجہ حاصل ہے اس کی پیروی میں کئی بارہ ماسے لکھے گئے اور شعراء نے بھی خراجِ تحسین پیش کیے۔ خود اکرم قطبی نے سب سے قدیم حوالہ قلم بند کیا۔

بکٹ افسانہ ہے یہ تو مہیا
دونوں کا ناں دوی میانا
اوسی افضل کہ جس کا نانو گوپال
کہا ہے نارنولے صاحبِ حال

دونوں قریب کے پڑوسی ہیں نارنول اور رہتک میں زیادہ دوری نہیں ہے ہاں رہتک دہلی سے بہت قریب ہے۔شاید اسی لئے آبرو نے اپنی بیاض میں قطبی کی غزل نقل کی ہے۔عبداللہ انصاری بھی اپنے بارہ ماسے میں افضل کو عقیدت سے یاد کرتے ہیں یہ بارہ ماسہ ۱۸۲۳ء کے آس پاس لکھا گیا۔

سراسر اہلِ عرفاں شاہ افضل
نہایت کامل و یکتا واکمل
انہوں نے اک بکٹ لکھی کہانی
کیا جس میں بیاں سوزِ نہانی

یہی بکٹ کہانی اکرم قطبی کے تیرہ ماسے کا سرچشمہ تخلیق ہے۔

تصحیحِ متن

مصنف کے متن میں کسی مرتب کو تحریف وتبدیلی کا اصولاً کوئی حق نہیں۔ زبان وبیان کے ساتھ تحریر وکتابت کی غلطیوں کو دور کیا جاسکتا ہے مگر احتیاط کے ساتھ۔ تیرہ ماسے کا کاتب کم سواد یا کم نظر نہیں ہے مگر بشری کمزوری کے تحت بھول چوک کا ہونا فطری بات ہے۔ بعض اشعار میں معمولی لغزشوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ کاتب سے سہواً کچھ حرف رہ گئے ہیں جسے ہم سہوِ کاتب کہہ سکتے ہیں۔ دوسری صورت رسمِ خط کی بھی ہے جو اس زمانے کے مزاج یا چلن میں رائج تھا یہی سبب ہے کہ کچھ اشعار یا مصرعوں میں کتابت کی بعض معمولی کوتاہیوں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ ایک مصرعے میں حرفِ 'ذ' کی کتابت نہیں ہوسکی۔

قمیص اعظم جی کی اولا (د) اور ہوت

ایک شعر میں 'صوں' لکھا ہے۔ جو غلط محسوس ہوتا ہے اسے 'سوں' میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

بڑی محنت سیں پایا میں نے دل دار
سینے ان کے ہوے کانٹے سوں گلزار

ایک اور شعر میں عذاں پس کی کتابت ہے۔ اسے ازاں پس میں تبدیل کردیا گیا ہے۔

عذاں پس ایں فلک مکار مکر ے

ایک دوسرے مصرعے میں صدا ہے۔ جسے سدا لکھ کر درست کیا گیا ہے۔

صدا چوپڑ جو کھیلوں تھے تیرے سنگ

ایک اور شعر میں سہو ہوا ہے۔

مکت ہیے ہیں پران منگسر رہا

اسے رہا منگسر میں بدل دیا گیا ہے جو قافیہ کی رعایت سے موزوں معلوم ہوتا ہے۔

ایک اور شعر ہے جس میں کاتب 'کر' لکھنا بھول گیا ہے۔ناچیز نے اسے درست کیا ہے

مکر کر زلف اور نیناں لوبھاویں

ادا کر کر پرایا گھر لوٹاویں

مخطوطہ کے پہلے صفحے میں اشعار کے مصرعوں کی ترتیب بدل گئی ہے کاتب کو اس س

کا احساس ہوا تو انہوں نے مصرعوں پر نمبر لگا کر درست کیا ہے۔

۱۔ پاؤں سیں گر پکڑ کر مجھ اٹھایا

۳۔ ہمن اوس کا رہن تک ٹھور پایا

۲۔ محبت کر گلے اپنے لگایا

۴۔ جنم کا دوکھ اونے یک پل میں کھویا

اختلافِ متن

مجھے دوسرے نسخے دستیاب نہ ہو سکے جو انڈیا آفس لندن یا شیرانی ذخیرے لاہور میں موجود ہیں۔ تیسرا نسخہ علی گڑھ میں کئی برسوں سے موجود نہیں ہے اس وجہ سے مجھے اپنے ہی مخطوطہ پر اکتفا کرنا پڑا۔ اختلاف نسخ کا کام انجام نہ پا سکا اس کا مجھے افسوس ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے ہریانی زبان میں تالیفات کے عنوان سے اورینٹل کالج میگزین لاہور میں ایک مقالہ شائع کیا تھا انہوں نے لکھا ہے۔

> ''اس کے نسخے کم یاب ہیں۔ مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے۔ پہلا انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور فہرستِ مخطوطات میں بہ ذیل نمبر ۹۳ شمارہ ۷ میں درج ہے۔ دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جس کو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۷۹ھ میں بمقام رہتک نقل کرتا ہے۔''

حافظ محمود شیرانی نے اس مقالے میں تیرہ ماسے کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں ان کے پیش کردہ اشعار کے متن اور راقم کے پاس موجود نسخے میں کہیں کہیں معمولی اختلاف ہے۔ ان کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ نسخہ شیرانی میں شعر اس طرح ہے:

محمد شاہ کی رہے بادشاہی
لگا ہے سن تیرہ از الٰہی

میرے مخطوطے میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے

لگا سن تیرہ از فضلِ الٰہی

یہ متن زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ نسخۂ شیرانی میں ایک دوسرا شعر ہے۔

قطبی بڈے نصیب ڈھولا گھر میں پائیا

قطب الدین حبیب جن سیں منگل گائیا

میرے نسخے میں بڈے کی جگہ ترے ہے۔

قطبی ترے نصیب جن سیں منگل گائیا

ایک اور جگہ نسخہ شیرانی کا متن ملاحظہ ہو؛

قمیص اعظم جیو کے اولاد اور ہوت

موجود نسخے میں حسبِ ذیل کتابت ہے۔

قمیش اعظم جی کی اولاد اور ہوت

یہاں کاتب سے 'د' لکھنا رہ گیا ہے۔ نسخہ شیرانی میں ایک شعر اس طرح ہے۔

گنوائے سونچ اور غفلت ماں اٹھیس

پھنسا در دام آں شیطانِ ابلیس

خاکسار کے نسخے میں ہے۔

پھنسا در دام اس شیطان ابلیس

یہاں نسخہ شیرانی کی عبارت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

مولانا شیرانی کے نسخے میں نگارا لکھا ہوا ہے۔ جبکہ ناچیز کے نسخے میں نقارا موجود ہے نقارا کو ترجیح دی گئی ہے۔

آئے پھر اندرا جاوے نقارا

پیا بن حال کیا ہوگا ہمارا

اس کے معاً بعد حسب ذیل شعر ہے۔ جس میں نسخہ شیرانی کے مطابق دوسرا مصرع رعد کا تکرار غلط معلوم ہوتا ہے۔

اچانک توپ کی جیور عد گرجا

کڑک اوس کی جوسن کر رعد لرجا

موجود نسخے میں رعد کی جگہ جیو ہے جو صحیح ہے۔ اسی کو متن میں شامل کیا گیا ہے۔

اس کے بعد کا شعر ہے جس میں نسخہ عرشی میں میری برہن ہے جب کہ موجود نسخے میں مجھے برہن ہے۔ اس متن کو اشاعت کے لئے مناسب سمجھا گیا ہے۔ ایک اور شعر ہے جس میں بہت معمولی فرق ہے 'الف' اور 'ز' میں کتابت کا ذرا سا فرق ہے۔ عرشی مرحوم نے اندلکھا ہے۔ جو رند بھی ہوسکتا ہے ناچیز کے مخطوطے میں مصرع اس طرح ہے:

اودھر سیں رند نے نالے چلائے

نسخہ عرشی میں املائی صورت بھی الگ ہے

اوھر تو اند نے نالے چلائے

یہاں سیں اور تو میں بھی فرق ہے۔ نسخۂ لاہور یعنی نسخہ عرشی کا ایک اور اختلاف ملاحظہ ہو۔ جو صحیح نہیں لگتا اس شعر کی کتابت اس طرح ہے۔

ارے قطبی کہاں تک ہوے زاری

مٹے نا ہیں تمامی عمر خواری

ذاتی نسخے میں مٹے کی جگہ بیتے ہے جو بہت مناسب لگتا ہے کیونکہ عمر کے مٹنے کا تصور یا استعمال عام نہیں ہے۔ بول چال میں عمر کے بیتنے کا استعمال ہوتا ہے۔

ارے قطبی کہاں تک ہوے زاری
بتے نا ہیں تمامی عمر خواری

حافظ شیرانی مرحوم نے مقالے کے اس تسلسل میں اور شعر نقل کیا ہے جس میں اختلاف موجود ہے۔

ارے آخر ہوا آساٹھ سارا
ملانا ہیں اجھوں تک پریم پیارا

ذاتی نسخے میں دوسرا مصرع اس طرح ہے۔

ملانا ہیں اجھوں لک پیو پیارا

تک پریم کی جگہ لک پیو زیادہ موضوع ہے۔ جسے متن میں شامل کیا گیا ہے ایک مصرع میں پیو اور ہے کا امتیاز موجود ہے۔

بنا ڈھونڈن نپائے پیو پیارا

ذاتی نسخہ میں مصرع اس طرح ہے۔

بنا ڈھونڈیں نپائے ہے پیارا

اس کے بعد مطبوعہ مقالے میں حسبِ ذیل شعر ہے۔ جو ذاتی مخطوطے میں نہیں ہے۔

پہلے میں تیر تھوں اور جگ لیا پھر
کہیں پایا نہیں ہارا میں آخر

نمبر شمار کے لحاظ سے یہ ۲۸۸ واں شعر ہے پیش نظر مخطوطہ میں اس کے عوض حسبِ ذیل شعر درج ہے۔

مراوہ عشق کا یوراجی لیتا
صریح جان کر ربتا جو ہوتا

اور بھی مصرعوں میں معمولی اختلاف موجود ہے۔ایک اور شعر کی صحتِ متن کی طرف اشارہ ضروری ہے۔قطبی کا کہنا ہے کہ یہ بھی بکٹ کہانی ہے۔

بکٹ افسانہ ہے یہ تو مہیا
دونوں کا ناں دوی میانا

نسخہ کا ہور میں دوسرا متن ہے۔

بکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا
دونوں کے ناں جنا ہے دوی میا

نسخہ کا ہور سوا سو سال بعد کی کتابت ہے اس میں تبدیلی کا در آنا عین ممکن ہے۔مگر بعض الفاظ درست لگتے ہیں۔جنہیں اپنایا گیا ہے۔اختلاف متون کی تصحیح بہت پیچیدہ عمل ہے۔ جب تک تمام موجود نسخے سامنے نہ ہوں یہ کارِ نیک تشنہ کامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

موجودنسخہ چونکہ سب سے قدیم ہے۔اس لئے اس کے متن میں خرابی یا غلطی کا امکان کم سے کم ہے۔اسی لئے راقم نے اس متن کو دوسرے متون پر ترجیح دی ہے ان کے علاوہ دوسرے متون کی عدم دستیابی نے موجود متن پر قناعت کے لئے مجبور کیا ہے۔جس کے لئے راقم دل سے معذرت خواہ بھی ہے۔

مصادر

مصادر

۱۔آبِ حیات۔محمد حسین آزاد،لاہور

۲۔آج کل۔دہلی،دسمبر۱۹۵۸ء

۳۔اردو۔کراچی،انجمن ترقی اردو،جولائی ۱۹۶۷ء

۴۔اردو میں بارہ ماسے کی روایت۔تنویر احمد علوی،دہلی ۲۰۰۰ء

۵۔بارہ ماسہ نیہہ۔مرتبہ نذر الحسن قادری،رام پور ۲۰۰۵ء

۶۔تاریخِ ادب اردو۔جلد دوم،جمیل جالبی،لاہور ۲۰۰۹ء

۷۔بکٹ کہانی۔محمد افضل،مرتبہ نور الحسن ہاشمی،حیدر آباد ۱۹۶۵ء

۸۔تذکرہ ریختہ گویاں۔گردیزی،اورنگ آباد ۱۹۳۳ء

۹۔تذکرہ شعرائے اردو۔میر حسن،دہلی ۱۹۴۴ء

۱۰۔تذکرۂ ہندی، مصحفی،دہلی ۱۹۳۳ء

۱۱۔تیرہ ماسہ۔اکرم قطبی،مخطوطہ،عبدالحق،دہلی

۱۲۔دیوان آبرو۔مرتبہ محمد حسن،نئی دہلی ۱۹۹۰ء

۱۳۔دیوان حاتم۔مرتبہ عبدالحق،دہلی ۲۰۱۰

۱۴۔دیوان زادہ۔مرتبہ عبدالحق،نئی دہلی ۲۰۱۱ء

۱۵۔دیوان سجاد۔مرتبہ شمیم احمد، مظفر پور ۱۹۷۸ء

۱۶۔دیوان فائز۔مرتبہ مسعود حسن رضوی، علی گڑھ ۱۹۶۵ء

۱۷۔دیوان یکرو۔مرتبہ شمیم احمد، پٹنہ ۱۹۷۵ء

۱۸۔دیوان شاکر ناجی۔مرتبہ فضل الحق، دہلی ۱۹۷۶ء

۱۹۔دیوان یقین۔مرتبہ فرحت فاطمہ، نئی دہلی

۲۰۔سرگذشت حاتم۔محی الدین قادری زور، حیدرآباد ۱۹۶۶ء

۲۱۔شعرالعجم، حصہ سوم۔شبلی نعمانی، علی گڑھ، ۱۳۲۵ھ

۲۲۔عیارستان۔قاضی عبدالودود، پٹنہ

۲۳۔گل رعنا۔عبدالحی، اعظم گڑھ ۱۳۵۳ھ

۲۴۔مجالس رنگیں۔سعادت یار خاں رنگیں، ۱۹۶۴ء

۲۵۔مخزنِ نکات، قائم چاندپوری، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۶۔معاصر۔پٹنہ جنوری ۱۹۵۲ء

۲۷۔نکات الشعراء۔میر تقی میرؔ، اورنگ آباد ۱۹۳۵ء

۲۸۔دیوان ولی۔(مخطوطہ) عبدالحق، دہلی

۲۹۔دیوانِ آبرو۔(مخطوطہ) عبدالحق، دہلی

۳۰۔دیوان حاتم۔(مخطوطہ) عبدالحق، دہلی

۳۱۔دیوان عالی۔(مخطوطہ) عبدالحق، دہلی

۳۲۔دیوان شاکر ناجی۔(مخطوطہ) عبدالحق، دہلی

اشاریہ

اشاریہ

حضرت ابراہیمؑ۔۳۸

آبرو۔۱۳،۱۴،۲۲،۲۳،۲۴،۲۷،۳۰،۳۱،۳۲،۴۰،۴۱

اقبال۔۳

الٰہی بخش۔۱۶

امام بخش۔۲۶

تنویر احمد علوی۔۱۶،۲۵

جمیل جالبی۔۲۶

حاتم۔۹،۱۳،۱۴،۱۸،۲۰،۲۱،۲۲،۲۳،۲۷،۲۸،۲۹،۳۰،۳۱،۴۲

حفظ اللہ قادری۔۴۹

حنیف نقوی۔۳۰

زلیخا۔۴۳،۱۰۴

سلطان احمد۔۳،۱۰

سنگھ مترا بسو۔۱۰

سیدہ جعفر۔۲

فائز۔۱۸،۲۰،۲۱

عبدالحق۔۳،۱۰

عبدالسلام سندیلوی۔۱۶

عبدالعزیز ساحر۔۱۷
عبدالغفار شکیل۔۱۶،۲۹
عبداللہ انصاری۔۱۴۴
عبدالودود قاضی۔۱۹،۲۰،۲۱
حضرت علیؓ۔۵۴،۱۱۲
علی قلی خاں۔۱۴۳
قطبی اکرم۔تقریباً ہر صفحہ
لیلیٰ۔۴۳،۱۰۸
مجنوں۔۴۳،۱۰۸
مرزا مظہر جان جاناں۔۱۳،۲۰
محمد افضل۔۹،۱۱،۱۵،۱۶،۲۴،۲۹،۳۲،۳۴،۱۷۳،۱۳۸
محمد حسن۔۱۸،۲۲
محمد شاہ۔۲۹،۳۰
محمد نجم الدین سلیمانی۔۱۷
مصحفی۔۲۰
مسعود حسین خاں۔۱۳۷
محمود شیرانی۔۲۶،۲۹،۳۲،۱۴۲،۱۴۳،۱۴۴،۱۴۵
مسعود حسن رضوی۔۱۸،۲۰

ملک محمد جائسی۔۱۵،۳۲

مولانا روم۔۳۴

میر تقی میرؔ۔۹،۲۶

مرزا سودا۔۹

نبی آخر الزماں ﷺ۔۵۴،۱۱۲

نورالحسن ہاشمی۔۱۳۷

وحشت۔۳۳

ولی۔۲۱،۲۳،۳۰

حضرت یوسفؑ۔۴۳،۱۰۴،۱۰۷

عکسِ مخطوطہ

تیرہ ماسہ : اکرم قطبی

انتخاب آبرو

انتخاب حاتم

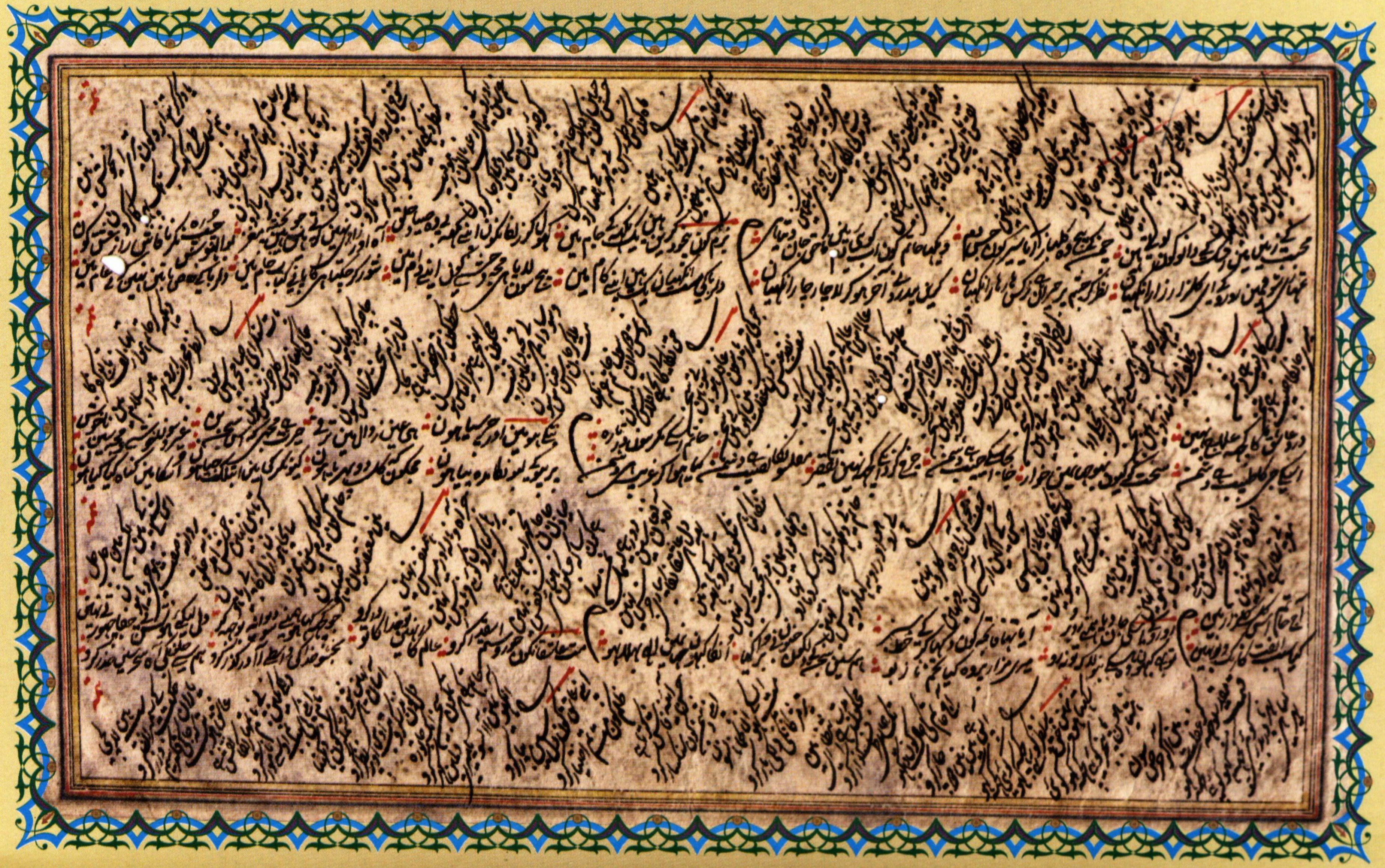

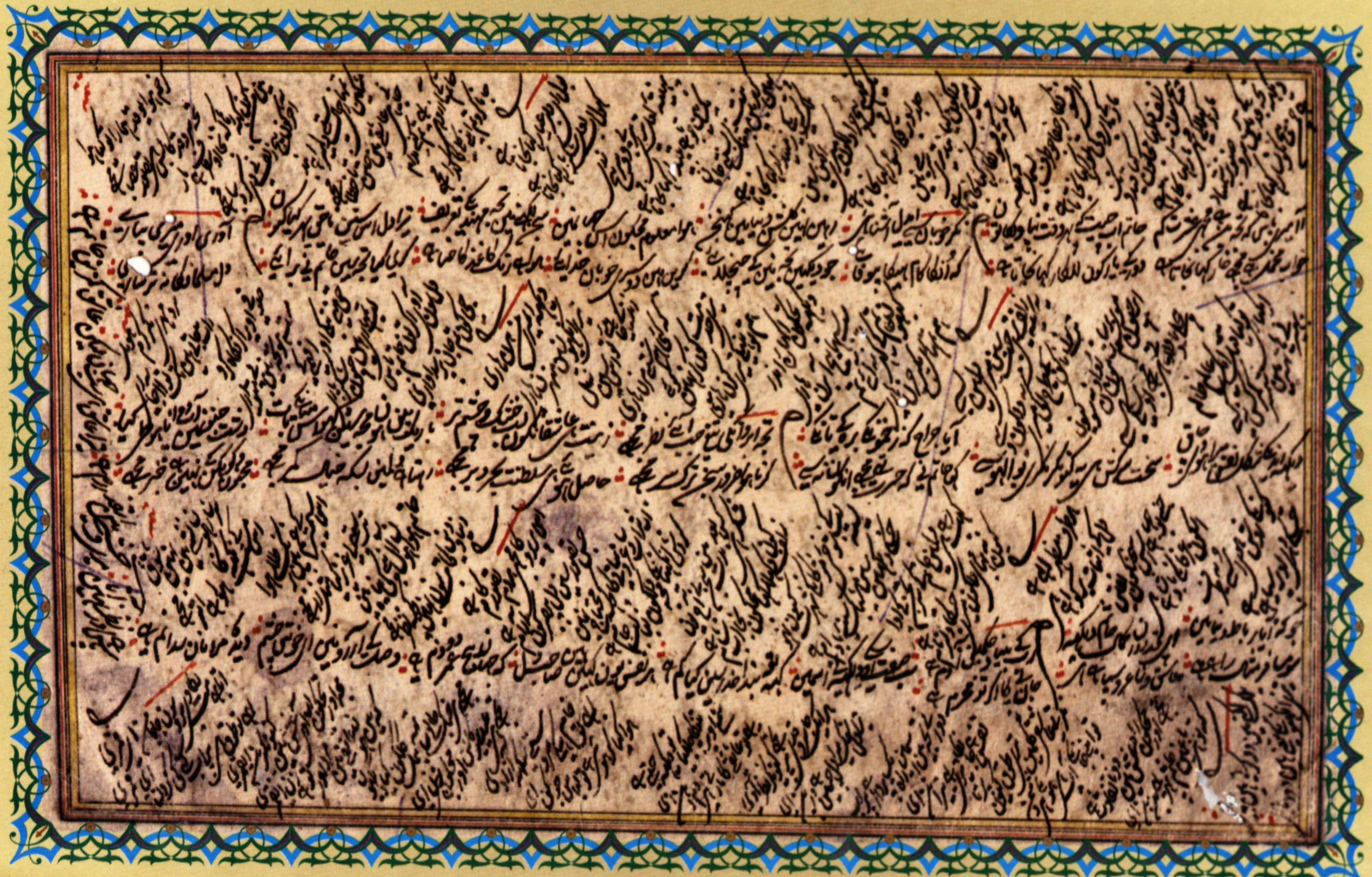

TERAH MASA

PRAKASHIKA

Number 33

General Editor

V. Venkataramana Reddy

TERAH MASA

(By Akram Qutbi)

(The oldest and complete Urdu Manuscript of North India)

Edited by

Abdul Haq

Published by

National Mission for Manuscripts, New Delhi

Asila Offset Printers, New Delhi

Published by:
National Mission for Manuscripts
11-Mansingh Road,
New Delhi-110001
Phone : +91 11 2307 3387
E-mail : director.namami@nic.in
Website : www.namami.org

Co-Published by:
ASILA OFFSET PRINTERS
1307-8, Kalan Mahal, Darya Ganj,
New Delhi-110002
Phone : +91 11 23289539
Email : javedasila@gmail.com

Price : Rs. **500/-**

ISBN : 978-93-80829-02-9 (Series)
978-93-80829-52-4
First Published 2017

© 2017, National Mission for Manuscripts
All rights reserved, including those of translation into foreign languages. No part of the book may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted in any form, or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise, without the written permission of the publisher.

FOREWORD

'Terah Masa' of Akram Qutbi is an unique and interesting work reflecting the life style and culture of the common man living in Haryana and surrounding areas in eighteenth century. The author has used colloquial terms and idioms which were in vogue those days. As a result its language is an amalgamation of Arabic, Persian, Urdu, Hindi, Braj, Haryanvi and Bhojpuri.

The name 'Terah Masa' means thirteen months and most probably the author counted the 'Mala Masa' along with twelve months of an year. The poetic work depicts the sadness and emptiness of a woman living away from her beloved one and relates the change of her mental condition to the changing of seasons. The rituals, customs, festivals of different seasons are beautifully portrayed alongside in the book.

Prof. Abdul Haq has painstakingly edited the text and also provided a detail introduction. His dedication to work brought to light a hitherto unknown manuscript. The Mission is grateful to him for his commendable job.

Our sincere thanks goes to Asila Offset Printers for bringing out the book in a short time.

The National Mission for Manuscripts gratefully welcome comments from readers.

June, 2017

V. Venkataramana Reddy
Director
National Mission for Manuscripts

तेरह मासा

अकरम कुतबी

(उर्दू का पहला और नायाब तेरह मासा)

सम्पादक

अब्दुल हक़

National Mission for Manuscripts

प्रकाशक

राष्ट्रीय पाण्डुलिपि मिशन, नई दिल्ली

असीला आफ़सेट प्रिंटर्स, नई दिल्ली

भूमिका

हम लोग अकरम कुतबी के दिल से शुक्रगुज़ार हैं कि इन्होंने भारत की सामूहिक और सांझी विरासत को संभाल करके रखा और इसे अद्भुत रचना के रूप में पेश किया। यह केवल बारह मासा या काव्य संग्रह ही नहीं बल्कि विभिन्न मौसम, भाषा, जीवन शैली, रस्मो-रिवाज, समाजिक हालात तथा आचार-विचार की धराओं का बड़ा आकर्षक वर्णन है। तेरह मासा का पहला शेर है :

पीतम प्रीत की रीत विधना रची अलस्त सें
कालू बला अतीत कह छूटे हैं सब सें

एक दूसरा शेर देखिये जो इस कथा का सार है

कुतुब मेरे का जुग जुग राज रहिओ
गंगा जमुना मे जब लक नीर बहिओ

पूरी किताब में अरबी, फ़ारसी, उर्दू, हिन्दी, बृज, हरियाणवी, पंजाबी, भोजपुरी भाषाओं की शब्दावली का बहुत ही आकर्षक मिश्रण है, जो उस दौर की अवामी बोली, लोक भाषा और बोलियों की आधारशिला का ज्ञान देता है।

प्रेम किस्सा हुआ, आखिर ऐ यारो
तेरह मासा है इसमें विचारो
विरह का मैं अचानक तीर खाया

करेजा हाथ पकड़े घर को आया
कोई बोला कि इसको नाग खाया
किन्ही इसके बदन में डंक लाया
तेरे कारण विरह किस देस जाऊं
तबीब और बेद कीधर के बुलाऊं

इसके अतिरिक्त लेखक ने बड़ा काम किया कि शहरी जुबान की जगह गांव-देहात की बोली ठोली को लोक साहित्य के रूप में पेश किया है। जिससे गांव के नर नारियों का चरित्र चित्रण होता है। भारत गांव में बसता है। कुतबी ने दिल्ली के आबरू, शाह हातिम वगैरह कवियों का अनुसरण न करके किलऐ मुअल्ला के नजदीक की भाषा शैली को प्रस्तुत किया है। यह लोक गीत ही नहीं आम जिन्दगी की जीवन प्रणाली का दर्पण है। यह लोक साहित्य का मूल आधार है इसे आज के संदर्भ में समझने की बड़ी जरूरत है। इस तेरह मासा की ही नहीं परंतु अब पूरी परम्परा का स्वागत करने का समय है।

तेरह मासा अकरम कुतबी की एक विचित्र और प्रशंसनीय प्रेम कहानी है, जो लोक साहित्य की परम्परा के अनुसार एक अद्भुत साहित्य रचना है। यह अब तक की तलाश के मुताबिक उर्दू का पहला तेरह मासा है। सच्चाई यह है कि एक बारह मासा है मगर कवि ने लोन्द या मलमास के तेरहवें महीने को जोड़कर इसे तेरह मासे का रूप दिया है। उर्दू के बारह मासा की रिवायत में इसका दूसरा स्थान है। पहला बारह मासा मुहम्मद अफ़ज़ल की "विकट कहानी" है, जो सन् 1635 के पहले लिखी गयी क्योंकि मुहम्मद अफ़ज़ल का देहांत 1635 में हुआ था। लगभग सौ साल

के बाद कुतबी के तेरह मासा की रचना हुई। कुतबी ने मुहम्मद अफ़ज़ल की विकट कहानी से बड़ा फ़ायदा ही नहीं उठाया है, बल्कि एक तरह से अनुसरण किया है। क्योंकि उनके सामने मुहम्मद अफ़ज़ल के अलावा कोई दूसरी रचना नही थी। यह भी सच है कि दोनों हरियाणा प्रान्त के रहने वाले थे। मुहम्मद अफ़ज़ल नारनोल और कुतबी रोहतक के निवासी थे। दोनों की भाषा, रचना शैली और आचार-विचार में समानता के स्वरूप एक है। इन सब समानताओं के बावजूद दोनों में अंतर भी बहुत है। कहानी में फ़र्क है और शैली में भी विभिन्नता बहुत हद तक मौजूद है। इस सबके होते हुए भी मुहम्मद अफ़ज़ल उर्दू साहित्य में बारह मासा के पहले रचयिता ही नहीं व उत्तरी भारत के सही अर्थों में उर्दू शयरी के पहले कवि है। उनकी किताब विकट कहानी को उत्तरी भारत की पहली मुकम्मल रचना के रूप में स्वीकार किया गया है। यह अलग बात है कि उसकी सबसे पुरानी पांडुलिपि रचना के लगभग दो सौ साल बाद का नुस्खा मिल सका है जो सन् 1824 का लिखा हुआ है। सन् 1635 और सन् 1824 में लगभग दो सौ साल का अंतर है। अमीर खुसरो की उर्दू कविताओं के बारे में मतभेद है। उसे यकीन और पूरे विश्वास के साथ नही कहा जा सकता कि उनका ही कलाम है और वह पूरे तौर पर संकलित किताब भी नही है। भरपूर कविता वाली किताब के पहले कवि मुहम्मद अफ़ज़ल ही कहलायेगें। यह दूसरी बात है कि उनकी कविता संग्रह का दो सौ साल बाद नुस्खा मालूम हो सका। इस परिस्थिति में कुतबी का तेरह मासा सबसे प्राचीन मुकम्मल हस्तलिखित संग्रह है, जिसमें 650 पंक्तियाँ है।

उर्दू में बारह मासा की रिवायत मलिक मुहम्मद जायसी की

पद्मावत जैसे महान काव्य संग्रह से शुरू होती है। पद्मावत का ऋतु वर्णन बारह मासा का सबसे बड़ा स्रोत है। पद्मावत की रचना के लगभग सौ साल बाद मुहम्मद अफ़ज़ल की विकट कहानी लिखी गयी है। उन्होंने भी ऋतु वर्णन की पैरवी की और एक बिरहन की व्यथा और वियोग का बड़ा आकर्षक बयान किया है। विभिन्न मौसमों में प्रेमी के वियोग में प्रेमिका पर गुजरने वाली व्याकुलता का वर्णन ही बारह मासा का मूल विषय है। यही दुख-दर्द अकरम कुतबी को भी सताता है। व्याकुल नारी की सभी संवेदनाओं को महसूस करने का प्रयास उर्दू हिन्दी बारह मासे की बुनियाद है।

भारत एक बड़ा देश है, जिसमें हर प्रकार की विभिन्नताऐं हैं। धर्म, सभ्यता, भाषा, जीवन शैली, खान पान, के साथ सोच विचार में भी अलग-अलग धरायें काम करती हैं। भौगोलिक विषमतायें भी कम नही है। मौसम भी भिन्न-भिन्न होते हैं। आमतौर पर जाड़ा, गर्मी, बरसात तीन बड़े मौसम हैं। इन्हें छः मौसमों में भी बांटा गया है बसंत, ग्रीष्म, वर्षा, शरद, हेमन्त और शिशिर। लेकिन बारह मासो में साल के बारह महीनों में गुज़रने वाले नाना प्रकार की खुशी और गम की संवदेनाओं का बयान होता है। कुतबी ने इस परंपरा का पालन किया है।

अकरम कुतबी के बारे में तारीख और तज़करों में कहीं कुछ हवाला नहीं मिलता उनके समकालीन कवि शाह मुबारक आबरू ने अपनी ब्याज यानी डायरी में कुतबी की एक ग़जल दर्ज की है। चुंकि यह ना बड़े मशहूर कवि थे ना ही वह दिल्ली के थे। केवल भाषा या लोक भाषा की यही एक रचना उनकी यादगार है। जो संयोग से सुरक्षित मिल गयी नहीं तो कुछ

भी ना मिलता। ना ही कहीं नाम आता। उर्दू लोक शायरी की यह दूसरी रचना है। जो भाषा और शैली के प्रसंग में बड़ी अहमियत की मालिक है। इसलिये इसे नज़र अंदाज नहीं किया जा सकता।

यह हस्तलिखित नुस्ख़ा मेरे विचार में बड़ा महत्व रखता है। शायरी के अलावा तीन सौ साल पुराने भाषा के रूप व स्वरूप को जानने के लिये यह एक बेमिसाल धरोहर है। उसकी हिफ़ाज़त और अध्ययन हमारी अद्भुत और विशाल विरासत का हिस्सा है।

अकरम कुतबी के जन्म या मृत्यु की किसी तारीख का कहीं से कोई पता नहीं चलता। केवल उनके काव्य से कुछ बातें मालूम होती है। तेरह मासा में उन्होंने ने बयान किया है कि वह रोहतक के रहने वाले थे और शेख जादों में थे। सन् 1730 में तेरह मासा की रचना की गई थी। रचना के समय उनकी उम्र 38 वर्ष की थी। इस प्रकार लगभग सन् 1693 में उनका जन्म हुआ होगा। उनका अकरम नाम था। वह शेख कुतुबुद्दीन हबीब के मुरीद थे। शेख कुतुबुद्दीन अबू सालेह कुतुब के तीसरे बेटे शेख कमीस के सुपुत्र थे। साधेड़ा में उनका मज़ार है। उनसे अकरम कुतबी को गहरी आस्था थी। तेरह मासा में जगह-जगह उनका जिक्र किया गया है। अब उन पंक्तियों को देखिये जिनमें कुतबी ने जीवन के बारे में कुछ इशारा किया है:

बनी इसराइल अस्त ईं शेखज़ादा
रहे रोहतक शहर अजबस की सादा
गया मैं कुतुब के पास दौड़ा
कि जिनका दै वतन साधेड़ा

अबू सालेह कुतुब के तीसरे पूत
कमीस आज़म जी की ओलाद और होत
मुहम्मद शाह की है बादशाही
लगा सन तेरह अज़ फ़ज़ले इलाही
कुतबी तेरे नसीब दुल्हा घर में पाइया
कुतुबुद्दीन हबीब जिनसे मंगलगाइया

अन्तिम शेर भी आस्था से भरपूर है

कुतबी पहुंच हो रहे खोया सब भटकाओ
बृह समुंद्र ऊतरे बैठ कुतुब की नाओं

उनके कलाम से ही चंद बातें मालूम होती हैं। शाह मुबारक आबरू की डयारी से पता चलता है कि दिल्ली वाले कवियों से उनका परिचय था। बहुत संभव है कि आने वाले समय में शायद उनकी जीवनी के बारे में कुछ और मालूम हो सके। जीवन कथा का भले ही ज्ञान ना हो मगर उनकी रचना का प्रकाश में आने के बाद वह लोक साहित्य के संदर्भ में बहुव्यापी नाम रखने वाले कलाकर के तौर पर हमेशा याद किये जायेंगे। नारियों के बिरह और वियोग की कहानी हर जमाने का दर्द व दाग रहा है। कला और साहित्य का यह सबसे संवेदनशील विषय होने के कारण हर मानव जीवन का अटूट प्रसंग है जो कुतबी की कद्र करने और उन्हें याद करने पर मजबूर कर देगा।

सुनो ऐ दोस्तां किस्साय हमन का
जो क्या भारी होता है दुख लगन का

अरे यह तीर कारी जिसके लागे
न जीवे ना मरे सोवे न जागे
ऐसे प्यारे को यूं नाहीं बिसारों
इति मुद्दत जुदाई से ना मारो।

26 जून 2017
ईद-उल-फ़ित्र 2017

—अब्दुल हक़
प्रोफेसर एमेरिटस, दिल्ली विश्वविद्यालय

پرکاشِکا-۳۳

تیرہ ماسہ

(شمالی ہند کا سب سے قدیم اور مکمل مخطوطہ)

اکرم قطبی

مرتبہ

عبدالحق

राष्ट्रीय पाण्डुलिपि मिशन
॥ विज्ञानमुपास्व ॥
National Mission for Manuscripts